حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

جولائی ۲۰۱۰ء

ماہنامہ

دقائقِ اسلام

سرگودھا

کسے را میسّر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

☼ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مُستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔

☼ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

☼ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ عِلمیۃ سُلطان المدارس الاسلامیۃ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ عِلمیۃ سُلطان المدارس الاسلامیۃ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، انٹیں وغیرہ مُہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ **"دقائقِ اسلام"** کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

جلد ۱۴ — جولائی ۲۰۱۰ء — شمارہ ۷

مدیرِ اعلیٰ : ملک ممتاز حسین اعوان
مدیر : گلزار حسین محمدی
پبلشر : ملک ممتاز حسین اعوان
مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰
مقامِ اشاعت : جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا
کمپوزنگ : الخطاط کمپیوٹرز 0307-6719282
فون : 048-3021536

زرِ تعاون 200 روپے
لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

﴿اِداریہ﴾

قوموں کے عروج وزوال کے اسباب

❶ یہ دنیا ظاہری اسباب کی وجہ سے چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو اسباب کے تحت چلا رہا ہے۔ قوموں کی پستی اور ترقی بھی اسباب و عوامل کے تحت وجود میں آتی ہے۔ ہر قوم کے عروج کے اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم کے زوال کے بھی اسباب ہیں۔ مُسلم امہ جب تک آپس میں اتحاد اور یگانگت کے ساتھ رہی تین براعظموں پر حکمرانی کے نقش ثبت کیے اور اقوام عالم میں ہمیشہ سربلند رہے۔ مگر جب خودغرضیوں اور ذاتی مفادات کی خاطر مُسلم قوم میں انتشار اور خلفشار پیدا کردیا گیا تو عالمِ اسلام مختلف ریاستوں اور مملکتوں میں بٹ کر اپنی طاقت کھو بیٹھا۔ صورتِ حال یہ ہوگئی کہ غیر اقوام نے انھیں اپنا غلام بنالیا اور ان کے وسائل پر قبضہ جمالیا۔ آج پھر عالمِ اسلام بڑے برے حالات سے دوچار ہے۔ عالمی طاغوتی طاقتیں اسلام اور مُسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔ مُسلمان حکمران اپنی حکمرانی بچانے کے لیے ان کی ہاں میں ہاں ملائے ہوئے ہیں اور عرب، عجم، گورے کالے، رنگ و نسل کے اختلاف سے اتحاد امتِ مُسلمہ نہیں ہو پا رہا۔ اسلامی ممالک کے باسی مختلف فرقوں اور مذاہب میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔ گویا نہ مُسلمان حکمرانوں میں اتحاد ہے اور نہ عوام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں۔ اس انتشار اور خلفشار کی وجہ سے عالمِ اسلام ذلت و رسوائی سے دوچار ہے۔ مِلتِ اسلامیہ کو چاہیے کہ آپس میں اتحاد اتفاق کے مظاہر پیش کرکے اپنی ترقی کی راہیں تلاش کریں اور اختلاف و انتشار کا باب بند کرکے اپنا بھولا ہوا سبق "مُسلمان مُسلمان کا بھائی ہے"۔ اور "مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ یاد کریں اور نفرتوں کے بت پاش پاش کرکے فلاح دارین حاصل کریں۔

❷ اس وقت عالم اسلام کے زوال اور پستی کی دوسری وجہ عصری علوم سے دوری اور سائنس و ٹیکنالوجی سے ناآگاہی ہے۔ غیروں سے مانگا ہوا مہنگا اسلحہ ان کی بقا کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ میں کفار و مشرکین کے مقابلہ کے لیے آلاتِ حرب و ضرب کی تیاری اور جدید اوزاروں کی تلاش اور ایجاد کے لیے واضح ارشادات موجود ہیں۔ دنیائے اسلام کے حکمران اور مذہبی رہنما اپنا رخ اس سمت کریں تاکہ اسلام اور مُسلمانوں کی بقا اور استحکام کے وسائل پیدا ہوسکیں۔ مُسلم امہ اس وقت دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے بے بہرہ نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ان کے زوال کی ہے۔ جو قومیں علوم و معارف سے دور ہوتی ہیں وہ کبھی بھی ترقی کی راہیں تلاش نہیں کرپاتیں۔ مُسلم امہ کے حکمران، علمائے کرام اور سیاست دان سب مل کر ایک مُتّحدہ لائحہ عمل تیار کریں اور امتِ مُسلمہ کو پستی اور ذلت کے گڑھے سے باہر نکالیں۔

❸ امتِ مُسلمہ کے زوال کی تیسری اور آخری وجہ بدعملی اور بددیانتی ہے۔ قوم کی تربیت نہ ہونے کے برابر ہے نوجوان نسل کے شب و روز ناقابلِ بیان ہیں۔ نہ حقوق اللہ کی پاسداری ہے اور نہ حقوق العباد کا لحاظ ہے۔ بے جا لہو و لعب اور تضییع اوقات نونہالان قوم کا وطیرہ ہے۔ بزرگ علمائے کرام، دانش ور حضرات، صحافی اور سیاست دان سب مل کر قوم کی تربیت اور اصلاح احوال کے لیے اقدامات کریں تاکہ مُسلمان قوم کی شناخت ایک اچھے انسان اور مردِ مومن کے طور پر ہوسکے۔ رہبران قوم اور فرزندانِ اسلام کے لیے مولانا الطاف حسین حالی

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

﴿باب العقائد﴾

انبیاءؑ وائمہؑ میں دو جنبے ہوتے ہیں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سُلطان المدارس سرگودھا

انبیاء عظام یا ائمہ علیہم السلام چونکہ یہ بزرگوار خدا کے اوامر و احکام بندوں تک اور بندوں کی عرضداشتیں خدا تک پہنچاتے ہیں، خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لیے ان کے دو جنبے ہوتے ہیں۔

1. ایک نورانی و روحانی جس کی وجہ سے نظام شریعت میں خدا سے احکام حاصل کرتے اور تکوین میں بارگاہ قدس میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرتے ہیں۔
2. دوسرا جنبہ بشری و جسمانی جس کی وجہ سے خدائے واحد کے احکام و فرمان بندوں تک پہنچاتے ہیں کما قیل: ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شاغل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

چنانچہ سرکار علامہ محمد باقر مجلسی ان حضرات کے انہی دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلا بد ان یکون بیننا و بین اللہ سفراء و حجت ذرجهات قدسیة و حالات بشریة یکون لهم بالجهات الاولی ارتباط بالجناب الاعلی یاخذون عنه الاحکام و الحکم و یکون بهم بالجهات الثانیة مناسبة للخلق یلقون الیهم ما اخذوا عن ربهم فلذا جعل اللہ تعالی سفرائه ظاهراً من جنس البشر و باطناً مباینین عنهم فی اطوارهم و اخلاقهم و نفوسهم و قابلیاتهم فهم مقدسون، روحانیون قائلون انما انا بشر مثلك لئلا ینفر عنهم امتهم و یقبلوا منهم و یانسوا بهم لکونهم من جنسهم و شکلهم و الیه یشیر قوله تعالی و لو جعلناه ملکا لجعلناه رجلا و للبسنا علیهم ما یلبسون۔ (رسالہ اعتقادیہ مطبوع معه توحید الصدوق صفحه ۴۸۲ و علی هامش عقائد الصدوق مع شرح باب حادی عشر صفحه ۶۷)

یعنی ہمارے اور ہمارے خدا کے درمیان ایسے حجاب و سفراء کا ہونا ضروری ہے جن میں دو جنبے ہوں۔ ایک جنبہ قدسی اور دوسرا جنبہ بشری، تاکہ پہلے جنبہ کی وجہ سے ان کا خدائے تعالیٰ سے ربط و تعلق ہو اور اس سے احکام و اوامر لے سکیں اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے جو کچھ (احکام و اوامر) خدا سے حاصل کیے ہیں ان تک پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لیے خدائے عزوجل نے اپنے سفراء و انبیاء کو ظاہری خلقت کے اعتبار سے تو بشر (و انسان) کی قسم سے ہی بنایا۔ لیکن باطنی طور پر اخلاق و اطوار، اپنے (پاکیزہ) نفوس اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کو ان سے جدا

قرار دیا۔ (غرضیکہ بشر و انسان ہونے میں باہم شریک اور صفات و کمالات میں جدا جدا) اس لیے یہ (تمام نقائص) سے مقدس و پاک روحانی ہیں۔ جو زبانِ قال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے جیسے بشری ہیں تاکہ ان کی امتیں ان سے نفرت نہ کریں۔ ان کی بات قبول کریں اور ان سے مانوس رہیں۔ کیونکہ وہ انہی کی قسم اور شکل و صورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرف خدا کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ "اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو (آخر) اس کو بھی مرد کی صورت بناتے اور جو شبہے یہ لوگ کر رہے ہیں (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اوڑھا دیتے۔ (ترجمہ فرمانؑ) کذافی کتاب الاربعین للمجلسی صفحہ ۱۷۷)

اسی طرح فاضل محدث ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار صفحہ ۳۰ پر نبی وامام کے انہی دو جنبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من الجھة الروحانية التي بسببھا كانوا قابلين للفيوضات التي اختصت بھم و بھا صاروا و سائط الاستفادة من طرف الله تعالى كما انھم من الجھة البشرية كانوا وسائط ايصال احكام الله و غيرھا الى الخلق۔

یعنی یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے اپنے فیوضات مخصوصہ حاصل کرنے اور (خالق و مخلوق کے درمیان) وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام وغیرہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

ایسا ہی فاضل نوری نے کفایۃ الموحدین جلد ا صفحہ ۱۱۵ پر ضرورتِ امام و نبی ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:

تفاوت مراتب انسان امریت ظاهره و هویدا۔ پس لازم است وجود شخصے که ممتاز باشد بقابلیت امور مذکوره و ذو جهتین باشد تا از جهتے تلقی وحی الهی نماید و بجهتی دیگر تبلیغ اوامر و نواهی بمکلفین نماید۔ یعنی انسانی مراتب و مدارج کا اختلاف ایک کھلم کھلا حقیقت ہے۔ لہذا ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو دونوں جنبے رکھتا ہو، تاکہ ایک جنبہ سے اللہ سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے۔

افادۂ جدیدہ

پس مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت واضح و لائح ہوگئی کہ نور و بشریت میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے اور ان بیانات سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء و مرسلین ہوں یا ائمۂ طاہرینؑ دو جنبوں کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی جسمانی و بدنی طور پر بشر و انسان اور روحانی طور پر نور۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کوئی شئے ذاتی طور پر عناصر سے مرکب ہو اور صفاتی طور پر نور کہلائے۔ آج اس سائنسی ترقی کے دور میں تو یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے مثلاً خداوند عالم نے قرآن مجید میں چاند کو نور قرار دیا ہے۔ "و جعل القمر فیھن نورا"۔ مگر آج اس چاند کی مٹی کا مغربی ممالک کی لیبارٹریوں اور تجربہ گاہوں میں تجزیہ کرکے اس پر مختلف تجربات کیے جا رہے ہیں۔ صاحبانِ عقل و انصاف کے لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے یہی مقدار کافی ہے۔ و من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

﴿باب الاعمال﴾

رضا بالقضا

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سُلطان المدارس سرگودھا

رضا بالقضا کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے کہ دکھ ہو یا سکھ، رنج ہو یا راحت، غم ہو یا فرحت فقر ہو یا غنا، صحت ہو یا مرض، موت ہو یا حیات، سب خدائے عادل و مہربان کی طرف سے ہیں۔ نیز یہ بھی یقین ہو کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جس میں ان کی بہتری ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ اس کی مصلحت کو نہ بھی سمجھ سکیں اور یہ بھی علم ہو کہ حزن و بے قراری یا ناراضی اور اعتراض کرنے سے خدا کی قضا بدل بھی نہیں سکتی۔ ہر حالت میں راضی برضائے الٰہی رہے اور کسی حالت میں بھی نہ خدا پر ناراض ہو اور نہ ہی زبان اعتراض دراز کرے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کا دل و دماغ ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ سچ ہے کہ:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

حدیث قدسی میں وارد ہے۔ خدا فرماتا ہے: من لم یرض بقضائی و لم یصبر علی بلائی و لم یشکر نعمائی فلیخرج من ارضی و سمائی و لیطلب رباسوای۔

جو شخص میری قضا و قدر پر راضی نہیں رہ سکتا میری نازل کردہ بلا و مصیبت پر صبر نہیں کر سکتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کر سکتا اسے چاہیے کہ میری زمین و آسمان سے نکل جائے اور کوئی اور پروردگار تلاش کرے۔

(الجواہر السنیہ)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکلیف و مصائب کے ازالہ کے جو ظاہری عِلَل و اسباب ہیں ان کو بروئے کار نہ لائے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔ نہیں بلکہ مقدور بھر کوشش کرے مگر نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دے اور اگر اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو تو سمجھ لے کہ تقدیر کچھ اور ہے۔ کیونکہ:

تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے

اور پھر صبر و شکر سے کام لے کر مہر بلب ہو جائے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت اسلام جس توکل و اعتماد علی اللہ پر بت زور دیتا ہے۔ اس کا بھی صحیح مفہوم یہی ہے کہ ممکنہ سعی و کوشش کر کے نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

گفت پیغمبر بآوازِ بلند
بر توکل زانوے اشتر بہ بند

خدا پر توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

﴿باب التفسیر﴾

بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ لَّقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ○ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○

ترجمۃ الآیات: اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے (بہت کچھ) دے رکھا ہے اور وہ بخل کرتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ (بخل) ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن اس مال کا طوق انھیں پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کر رہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔ (۱۸۰) بے شک اللہ نے ان لوگوں (یہودیوں) کا قول سن لیا ہے۔ جنھوں نے کہا کہ خدا مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں، سو ان کی یہ باتیں ہم لکھ لیں گے نیز ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے۔ اور (فیصلے کے وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ اب آتش دوزخ کا مزہ چکھو۔ (۱۸۱) یہ بدلہ ہے اس کا جو تمھارے ہاتھوں نے (زاد سفر کے طور پر) آگے بھیجا ہے اور یقیناً اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (۱۸۲) یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد و اقرار لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسُول پر ایمان نہ لائیں، جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے (غیبی) آگ آ کر کھالے۔ ان سے کہیے مجھ سے پہلے تمھارے پاس بہت سے رسُول روشن نشانیاں (معجزے) لے کر اور وہ (نشانی) بھی جو تم کہتے ہو لے کر آئے۔ تو اگر تم (اس شرط میں) سچے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا؟۔ (۱۸۳)

تفسیر الآیات: بہت دیر کے بعد سلسلہ کلام تبدیل ہوا ہے اور منافقین کے فرار اور دوسرے واقعات ان کے اقوال اور ان کے جوابات یہاں ختم ہوئے ہیں۔

یہاں خدائے رحمان نے بخل اور اس کے برے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔ بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بد اخلاقیوں کی جڑ ہے، جیسے خیانت، بد دیانتی، بے رحمی اور دنائت و کمینگی وغیرہ۔ بخل کی مذمت سے قرآن و سنت لبریز نظر آتے ہیں اور اس صفت رذیلہ کا انجام جہنم ہے۔

بخیل ار بود زاہدِ بحر و بر
بہشتی نباشد بحکم خبر

یہاں بخل سے مالی حقوق واجبہ جیسے زکوٰۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا مراد ہے۔ جنھیں خدائے حکیم نے فقراء کے لیے اغنیاء کے اموال میں فرض کیا ہے۔ یہ مال بطور طوق ان کی گردن میں ڈالے جائیں گے، یقیناً کسی مخصوص ہولناک عذاب کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت ارشادات معصومین میں کی گئی ہے۔ چنانچہ:

حضرت امام محمد و حضرت امام جعفر صادق علیہما السّلام سے مروی ہے، فرمایا: "ما من احد یمنع من زکوٰۃ مالہ شیئاً الا جعل اللہ ذالک یوم القیامۃ"۔

جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے خدا اسے قیامت کے دن جہنم کا اژدہا بنا کر اس کی گردن میں طوق کے طور پر ڈالے گا، جو اس کا گوشت کھائے گا، یہاں تک کہ حساب کتاب سے فراغت ہوگی۔

(اصول کافی وتفسیر صافی)

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسولِ خُدا نے فرمایا:

"ما من ذی زکوٰۃ مال نخل او زرع او کرم یمنع زکوٰۃ مالہ الا قلد تربۃ ارضہ یطوق بہا من سبع ارضین الی یوم القیامۃ"۔

جس شخص پر کھجور، زراعت یا انگور وغیرہ کسی مال کی زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو اس کی زمین کو اس کے سات طبقوں سمیت قیامت کے دن اس کی گردن کا طوق بنائے گا۔ (صافی)

ہم اپنی اس دنیا کے مشاہدات میں گھری ہوئی عقل سے وہاں کی کسی چیز کی اصلی نوعیت کب سمجھ سکتے ہیں جو اس اژدہے کی پوری نوعیت محسوس کر سکیں جس کی شدت سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ابدی عذاب کا ایک طریقہ ہے۔ جو غضب پروردگار کا نتیجہ اور اس کی نافرمانی کی سزا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

(فصل الخطاب)

ارشادِ قدرت ہے:

و من یوق شح نفسہ فاؤلئك ھم المفلحون

جو شخص حرص بخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ (الآیۃ)

یہودیوں کا اپنے آپ کو مالدار اور خدا کو غریب و نادار کہنا

کُتب تفسیر میں یہود کے اپنے آپ کو مالدار اور خالقِ کائنات کو غریب و نادار کہنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ من یقرض اللہ قرضاً حسناً کون ہے جو خدا کو قرضِ حسنہ دے۔ تو یہود نے تمسخر کرتے ہوئے کہنا شروع کیا اللہ مفلس ہو گیا ہے، اس لیے بندوں سے قرض

مانگ رہا ہے۔ (تفسیر صافی)

دوسری وجہ یہ کہ انھوں نے جب اولیاء اللہ کو فقیر و نادار دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ اللہ مفلس ہو گیا ہے کیونکہ اگر مالدار ہوتا تو اپنے دوستوں کو مالدار بناتا۔ (تفسیر قمی)

بہرحال وجہ جو بھی ہو خدائے قہار ان کے جواب میں فرما رہا ہے کہ ہم ان کے مذاق والے جرم کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیں گے اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کا سنگین جرم بھی ثبت کیا جائے گا۔

اس ارشاد خداوندی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مذاق اتنا سنگین جرم ہے کہ اسے قتل انبیاء کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، فرمایا: انبیاء کے قاتلین اور اس قول کے قائلین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔ مگر خدا نے ان کو اس لیے قاتل قرار دیا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے اس کارنامہ پر راضی تھے۔ (الکافی، الصافی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب "من رضی بفعل قوم فھو منھم" جو کسی قوم کے فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص یا قوم و قبیلہ آج بھی امام حسینؑ کے قتل ناحق پر راضی ہے وہ امامؑ کے قاتلوں میں سے شمار ہوگا۔ (تفسیر عیاشی)

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا (الآیۃ)

یہود کے ایمان نہ لانے کے عذر لنگ کا تذکرہ

یہود جو کہ حیلہ سازی کے فن میں بڑے ماہر تھے اس لیے حضرت رسولِ خداؐ پر ایمان نہ لانے کا یہ عجیب و غریب عذر تراشا کہ خدا نے ہم سے تورات میں یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی شخص کو نبی نہ مانیں جب تک وہ یہ خاص معجزہ نہ دکھائے جو یہ ہے کہ وہ کوئی قربانی پیش کرے اور آسمانی آگ آکر اسے کھا جائے۔ (اسے جلا کر راکھ کردے) اور چونکہ آپ نے یہ معجزہ نہیں دکھایا لہذا ہم آپ کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن نے ان کی اس کٹ حجتی کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا ہے اور ہابیل و قابیل کے قصہ میں بھی یہ مذکور ہے۔ مگر یہ کوئی عام اصول تو نہ تھا کہ جو نہ معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا۔ بے شک نبی کے لیے معجزنما ہونا ضروری ہے مگر کسی خاص معجزہ کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی صراحت تورات وغیرہ میں مذکور ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اگر بالفرض تمھاری یہ بات درست تسلیم بھی کرلی جائے تو جب بعض سابقہ انبیاء دوسرے معجزات کے علاوہ تمھارا یہ مطلوبہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے جیسے جناب زکریا و جناب یحییٰ (علیہما السّلام) تو تم نہ صرف یہ کہ ان پر ایمان نہیں لائے، الٹا ان کو ناحق شہید بھی کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہ ماننے کے صرف حیلے و بہانے ہیں۔ بس خداوند عالم نے اپنے حبیب کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی انبیاء و مرسلین کی تکذیب کی جاتی رہی ہے۔ ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

لہذا فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔ اولی العزم رسولوں کی طرح صبر کیجیے۔

باب الحدیث

کچھ حُسنِ سلوک کے بارے میں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سُلطان المدارس سرگودھا

❶ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ما یوضع فی میزان امرء یوم القیامۃ فضل من حسن الخلق۔ قیامت کے دن کسی شخص کے نامہ اعمال میں حسنِ خلق سے افضل کوئی عمل نہیں رکھ جائے گا۔ (اصول کافی)

❷ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا۔ تمام اہل ایمان سے زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق ہے۔ (اصول کافی)

❸ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان صاحب الخلق الحسن له مثل اجر الصائم القائم۔ خوش خلق آدمی کے لیے وہی ثواب ہے جو اس شخص کے لیے ہے جو دن کو روزہ رکھے اور رات مُصلّائے عبادت پر جاگ کر گزارے۔ (اصول کافی)

❹ نیز انہی امام عالی مقام سے منقول ہے فرمایا: حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:
اکثر ما تلج به امتی الجنة تقوی الله و حسن الخلق۔ زیادہ تر میری امت دو چیزوں کے سبب سے جنت میں داخل ہوگی۔ ۱۔ ایک تقوائے خداوندی، ۲۔ دوسرا خوش خلقی۔ (اصول کافی)

❺ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا خداوند عالم نے بعض انبیاء کو وحی فرمائی کہ حسن الخلق یمیث الخطیئة کما تمیث الشمس الجلید۔ خوش خلقی اس طرح گناہوں کو پگھلاتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلاتا ہے۔ (اصول کافی)

❻ نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا: البر و حسن الخلق یعمران الدیار و یزیدون فی الاعمار۔ نیکی کرنا اور خوش خلقی شہروں کو آباد کرتے ہیں اور زندگیوں کو بڑھاتے ہیں۔ (اصول کافی)

❼ نیز انہی حضرت سے مروی ہے، فرمایا: ان اللہ یعطی العبدین الثواب علی حسن الخلق کما یعطی المجاهد فی سبیل الله یغدو و یروح۔ خداوند عالم خوش خلق آدمی کو اس قدر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے جو صبح و شام راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کو عطا فرماتا ہے۔ (اصول کافی)

رزقنا اللہ حسن الخلق بجاہ النبی و آلہ

﴿باب المسائل﴾

مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ : آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سوال نمبر ۱۷۳: سورتوں، آیات کا اور ان کی خاصیتیں، تعویذ لکھنے، گھول کر پینے، بازوبند بنانے کی حقیقت احادیث اور قرآن کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

سائل: سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے ڈیرہ اسماعیل خان

جواب باسمہ سبحانہ ! یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا ہے کہ قرآن مجید کوئی تعویذات کی کتاب نہیں ہے (بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے) مگر خود غرض لوگوں نے اپنے باطل اغراض و مقاصد حاصل کرنے کا اسے ذریعہ بنا رکھا ہے۔ کوئی اس سے تعویذات لکھ کر روٹی کما رہا ہے، کوئی قرآن کا واسطہ دے کر ووٹ مانگ رہا ہے۔ اور کوئی روٹھے ہوئے دوستوں کو اس کے وسیلہ سے منا رہا ہے۔ جو بالکل غلط ہے اور نزول قرآن کی اصلی غرض و غایت کے منافی ہے۔

ہاں البتہ ارشاد قدرت: و ننزل من القرآن ما ہو شفاء و رحمۃ للمومنین کے مطابق چونکہ قرآن کتاب شفاء بھی ہے گو بظاہر اس سے مراد کفر و شرک اور نفاق کی بیماریاں ہیں مگر بموجب بعض اخبار و آثار کہ خذ منہ ماشئت شئت۔ یعنی قرآن کی جس سورۃ یا آیت کو چاہو لے لو اور جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو۔ (قرآن مجید مترجم سید زیرک حسین مرحوم) بنا بریں جسمانی بیماریوں سے شفایابی کے لیے اگر بعض قرآنی آیات کا سہارا لے لیا جائے تو اس کا جواز بھی محل کلام نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس کے لیے سرکار معصومین علیہم السّلام سے منقول ہونا شرط اولین ہے کہ قابل اعتماد کتاب میں مذکور ہے کہ فلاں آیت کو اس طرح پڑھو، یا لکھ کر باندھو۔ اور ہمراہ رکھو۔ اور حضرت امیر علیہ السّلام سے مروی ہے، فرمایا بعض التمائم اشراك۔ کہ بعض تعویذات شرک ہوتے ہیں (اصلاح الرسوم) جیسا کہ عام پیشہ ور کاروباری لوگ کیا کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۷۴: اپنے ملک میں اپنے فرقہ میں موجود خرافات و بدعات، رسومات اور رواجات کا دفاع کرنا جب کہ دوسرے ممالک میں مختلف رسومات کا رائج ہونا اور ان کا بھی علماء کا دفاع کرنا، دین میں اضافہ جات کی بہتات کا سبب ہے۔ ذمہ دار کون ہے؟

جواب باسمہ سبحانہ ! یہ سوال قدرے مجمل ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ ان رسومات و بدعات کے پھیلانے کا ذمہ دار کون ہے؟ یا ان کے دفاع و تردید کا ذمہ دار کون ہے؟ بہر حال دونوں شقوں کا جواب عرض کیے دیتے

ہیں۔ اگر پہلی شق مراد لی جائے تو اس کے کئی ذمہ دار ہیں۔

❶ عوام کی جہالت ❷ خواص کی ضلالت ❸ پیروں فقیروں کی کثرت ❹ اہل علم حضرات کی غفلت ❺ اور سب سے بڑھ کر منبر و محراب پر نا اہل لوگوں کا تسلّط۔

اور جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو اس کی ذمہ داری سب لوگوں سے زیادہ علماء کرام کے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ جو وارثِ انبیاء ہونے کے دعویدار ہیں، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض و وظائف کو ادا بھی کریں۔ ویسے ہر شخص اپنی استطاعت و بساط کے مطابق اس کا مسئول ہے۔ جیسا کہ ارشاد رسول ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔ کہ تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

سوال نمبر ۱۷۵: ہر نماز کو علیحدہ اپنے وقت پر پڑھنا سرکار محمد و آئمہ علیہم السّلام کا کثرت سے عمل ہے، جب کہ ہم پوری ملت تشیّع علماء و مجتہدین بھی تفضیلی عمل کو چھوڑ کر جائز عمل پر اس طرح اصرار کرتے ہیں کہ جس طرح یہ تفضیلی عمل دو حکم ہو۔ معصومینؑ کے عمل کی روشنی میں ہونا کہاں ہے وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! اس موضوع پر میں نے تجلیات صداقت اور قوانین الشریعۃ ہر دو میں قلم اٹھایا ہے اور واضح کیا ہے کہ شیعہ ہوں یا سنی ہر دو فریق اعتدال کا دامن چھوڑ کر افراط و تفریط میں شکار ہو گئے ہیں۔ اصل موضوع جمع بین الصلوٰتین کا جواز تھا کہ آیا بلا عذر ایسا کرنا جائز ہے یا نہ؟۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ جب کہ برادر اسلامی اسے جائز نہیں سمجھتے۔ تو ہم نے اس جائز عمل کو اس طرح واجب و لازم سمجھ لیا ہے کہ گویا اگر دو نمازوں کو اوقات فضیلت پر علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے تو ہم سنی بن جائیں گے اور برادر اسلام اپنے اس جائز عمل کو سیرت رسول کی روشنی میں صحاح ستہ کی روایات کی روشنی میں جائز ہے۔ اس طرح ناجائز اور حرام سمجھ لیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کبھی بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کریں گے تو شیعہ بن جائیں گے۔ حالانکہ اسلام اعتدال پسندی کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اس کے نُقطۂ نگاہ سے جمع بین الصلوٰتین یقیناً جائز ہے لیکن ہر نماز کو اس کو وقت فضیلت پر اذان و اقامت کہہ کر علیحدہ علیحدہ پڑھنا یقیناً افضل و اعلیٰ ہے اور معصومین علیہم السّلام کی عمومی سیرت اور ان کی روش و رفتار سے یہی ثابت ہے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ہماری قوم عوام و خواص اپنے پیشواؤں کی سیرت کردار اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال نمبر ۱۷۶: نوروز جس کی کوئی سند نہیں ہے، کیا وہ ان رسومات کی مانند ہے جن کو ہم مذہب کے نام پر ادا کر کے مذہبی اہم فریضہ کی ادائگی سمجھتے ہیں؟۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! نوروز کی روایت تو ہے۔ تو بروایت معلی بن خنیس حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مَنقُول ہے۔ مگر وہ بدو وجہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

❶ ایک اس لیے کہ وہ اسلام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شمسی سن و سال پر مبنی ہے،

جب کہ اسلام کا نظام قمری سن و سال پر مبنی ہے۔

❷ دوسرا اس لیے کہ اس کے خلاف مُستند و معتبر روایات پائی جاتی ہیں جو اس کی نفی پر دلالت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ قبل از اسلام سے ایرانی قوم کا قومی تہوار ہے۔ کوئی اسلامی عید نہیں ہے۔ لہٰذا اسے مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس موضوع کی مزید تفصیلات ہماری اصلاح الرسوم کی دیکھی جائیں۔

سوال نمبر ۱۷۷: میلاد نبیؐ، بعثت پیغمبر اکرمؐ، ہجرت پیغمبرؐ، ولادت ائمۂ اطہار، ایام شہادت، نو روز، عید مباہلہ، عید شجاع، عیدِ غدیر، چہلم وغیرہ جو ہم مناتے ہیں کیا وہ خود بھی باقاعدگی سے اس کا اہتمام کرتے تھے؟ دعاء رجیم، فاتحہ خوانی، قل، چہلم خیرات سالانہ برسی وغیرہ پر بھی روشنی ڈالیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! یہ بات مُتعدد روایات سے بھی ثابت ہے اور قانون قدرت اور آئین فطرت سے بھی کہ ہر مُحبِ صادق اپنے محبوب کی خوشی میں خوش ہوتا ہے اور اس کے غم میں غمناک۔ اور یہ بات عیاں چہ بیاں کی مصداق ہے۔ لہٰذا حضرت پیغمبر اسلامؐ ہوں یا ان کی عترت اہلِ بیتؑ۔ ان کی خوشی میں خوش ہونا اور جشن منانا اور ان کے حکم میں شامل ہونا، اور ایام غم میں سوگوار ہونا، جو قانونِ قدرت اور آئین فطرت ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور سلیم الفطرت اس چیز کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ خوشی و مسرت ہو یا غم و اندوہ، اس کے طور طریقے اور انداز ملک و ملت بعد سن و سال کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ شرط صرف ایک ہے کہ جشن یا سوگ ان میں خلاف شرع کسی بات کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ باقی رہی نوروز تو اس سابقہ سوال کے جواب میں تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ اور جہاں تک عید شجاع کا تعلق ہے تو اس نام کی کسی شرعی عید کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اور جہاں تک عید غدیر اور مباہلہ کا تعلق ہے ان کا عید سعید ہونا اور مسرت و شادمانی ہونا ہمارے ہاں مُسلم ہے۔

باقی رہی قل خوانی، چہلم اور برسی وغیرہ، یہ صرف اس میں شرعًا ان کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اور جب میت کی روح کو ایصالِ ثواب کی خاطر کوئی صدقہ دیا جائے، کوئی خیرات کی جائے یا کوئی عمل خیر انجام دیا جائے تو خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ سے اس کا اجر و ثواب مرنے والے کی روح کو پہنچا دیتا ہے۔ ان امور کی جُملہ تفصیلات ہماری کتاب اصلاح الرسوم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ واللہ العالم۔

سوال نمبر ۱۷۸: کچھ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، آپ نے مسئلہ کا جواب دقائق میں تحریر فرمایا ہے جو قبر میں روح اور جسم کے بارے ہے۔ یہ تو سمجھ آگیا کہ روح عالم برزخ میں چلا جائے گا۔ کیا فشار قبر کے بعد عذاب جسم پر نہیں ہوگا اور فشار قبر میں ہوگا یا نہیں۔ عالم برزخ صرف روح کو عذاب ہوگا۔ جب ثواب اور گناہ میں جسم اور روح برابر کے شریک ہیں۔ اور شہداء کے روح بھی برزخ میں ہوں گے۔ کیا شہداء کا روح اور جسم اکٹھے ہوں گے۔

سائل: ڈاکٹر منظور حسین بلوٹ شریف پہاڑپور ڈیرہ اسماعیل خان

جواب باسمہ سبحانہ! قبر میں سوال و جواب کے بعد جسم اور روح کے درمیان کلی طور پر مفارقت (جدائی) ہوجاتی

ہے جو قیامت تک برقرار رہتی ہے۔ یعنی جسم وہیں قبر میں پڑا رہتا ہے اور روح کو جسم مثالی میں داخل کیا جاتا ہے۔ پس اگر مؤمن کامل کی روح ہے تو وہ جسم مثالی کے ساتھ عالم برزخ میں وادی السّلام میں خوش و خرم رہتی ہے۔ اور اگر کامل کافر و مشرک کی روح ہے تو وہ جسم مثالی کے ساتھ وادیٔ برہوت (یمن) میں تکلیف کے ساتھ رہتی ہے۔۔۔ اور عالم شہداء کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہاں البتہ بروز قیامت پھر روح کو اپنے اصلی دنیوی جسم میں ڈال کر محشور کیا جائے گا۔ اور اسی جسم و روح کے ساتھ اسے جزا یا سزا دی جائے گی۔

سوال نمبر ۱۷۹: کیا ہمارے فقہ میں مُتعہ جائز ہے۔ کیا قرآن میں ثبوت ہے یا حضرت محمدؐ کے زمانے میں لوگ مُتعہ کرتے تھے یا حضرت علیؑ کے دور میں امام حسن عسکریؑ کے دور میں مُتعہ کیوں جائز تھا اور حضرت عمرؓ نے کیوں حرام قرار دیا۔ کیا ایران عراق شام یا پاکستان میں لوگ اب بھی مُتعہ کرتے ہیں، جائز ہے یا حرام۔

(ملک کوثر عباس فیصل کالونی کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ)

جواب باسمہ سبحانہ! مُتعہ اسلام و قرآن میں جائز تھا، جائز ہے اور جائز رہے گا۔ اس کے تفصیل دلائل اور مسائل معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب قوانین الشریعہ یا تجلیات صداقت کا مطالعہ کریں۔

سوال نمبر ۱۸۰: جب رسول کریمؐ کی شادی خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ ہوئی تھی تو نبی پاکؐ نے حق مہر کتنا دیا تھا۔ اور جب علیؑ اور زہراءؑ کی شادی ہوئی تو علیؑ نے حق مہر کتنا دیا تھا اور آجکل کے دور میں حق مہر کتنا جائز ہے۔ رسول کریمؐ نے زیادہ حق مہر لینے والی عورت کو منحوس کیوں قرار دیا۔

جواب باسمہ سبحانہ! جناب پیغمبرِ اسلامؐ نے جناب خدیجۃ الکبریٰ کا اور حضرت امیرؑ نے حضرت زہراءؑ کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر کیا۔ جب کہ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس طرح چاندی کی مقدار ایک سیر تین پاؤ اور کچھ زیادہ بنتی ہے۔ چاندی کا رائج الوقت نرخ دیکھ کر سنت حق مہر کی مقدار معلوم کی جا سکتی ہے۔ ویسے جس مقدار پر طرفین راضی ہو جائیں وہی کافی ہے۔

سوال نمبر ۱۸۱: آج کل کے دور میں سیرت آلِ محمدؐ کے مطابق لوگ اپنی بیٹی و بیٹے کی شادی کیوں نہیں کرتے۔ اگر سیرت آلِ محمدؑ پر چلتے ہمارے شیعہ تو کسی کے گھر میں کسی کی بیٹی بیٹا ایسے کنوارے نہ رہ جاتے اور نہ ہی گناہ میں اضافہ ہوتا۔ یہ میرا خیال ہے آپ وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! لوگ نیکی اور بدی کے کرنے میں با اختیار ہیں، دین میں جبر و اکراہ نہیں۔ اگر عام اہل اسلام قرآن اور چودہ کے فرمان پر عمل کرتے تو دنیا میں ذلیل و رسوا کیوں ہوتے۔

سوال نمبر ۱۸۲: یہ جو لوگ تعویذوں کے چکروں میں رہتے ہیں اور۔۔۔؟؟۔۔۔ بھاری رقم لے کر شیطان کو دور بھگاتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا ہمارا مذہب اجازت دیتا ہے، آخر یہ سب کیوں ہے۔

جواب باسمہ سبحانہ! تعویذ گنڈے کا کام گندہ ہے اور کمزور ایمان و یقین والے لوگ کرتے ہیں اور جن کا بھروسا خدا کی ذات پر ہوتا ہے وہ ان چکروں میں نہیں پڑتے۔

﴿باب المتفرقات﴾

خلافت قرآن کی نظر میں

تحریر: محقق عصر مولانا سید محمد حسین زیدی برستی مدظلہ العالی (چنیوٹ)

جنوں کے رسول

جیسا کہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ جنوں میں سے بھی خدا نے کسی جن کو جنوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ایسا ہی ایک اسلامی روایت سے بھی جو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے منقول ہے۔ اس بات کا پتا چلتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جنوں کے پاس بھی کسی جن کو اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا جس کا نام یوسف تھا لیکن جنوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (عیون اخبار الرضا)

چونکہ جنوں کے بارے میں کوئی تاریخ نہیں ملتی لہذا وثوق کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا کہ خداوند تعالیٰ نے یہ جن رسول ان جنوں کے پاس کب بھیجا تھا لیکن سورۃ انعام کی مذکورہ آیت نمبر ۱۳۰ جو جنوں میں کے رسول کی بات کرتی ہے، سے اگلی آیت نمبر ۱۳۱ کے مضمون سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب جنوں کا فساد فی الارض کشت و خون اور قتل و غارت گری انتہا کو پہنچ گئی اور خداوند تعالیٰ نے انھیں اپنے عذاب سے معذب کرنا چاہا ہو گا تو انھیں عذاب دینے سے پہلے ان کی ہدایت کے لیے اپنا رسول ضرور بھیجا ہو گا تا کہ غفلت میں نہ مارے جائیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اسی سنت کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ:

ذالك ان لم يكن ربك مهلك القرىٰ بظلم و اهلها غافلون

خداوند تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس لیے بھیجتا ہے کہ وہ بستیوں کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کی بنا پر ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک کہ وہ ان کے پاس کسی رسول کو بھیج کر ان کو ہدایت نہ کر دے، تا کہ وہ بے خبری میں نہ مارے جائیں۔

ایک اور آیت میں خداوند تعالیٰ نے اپنی اس سنت کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

و ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

اور ہم کسی پر بھی عذاب نازل نہیں کیا کرتے جب تک کہ ان کے پاس کسی رسول کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں۔

لہذا جب جنوں کی طرف سے کشت و خون اور قتل و غارت گری اور فساد فی الارض کی انتہا ہو گئی تو ضرور بالضرور خدا نے ان پر اپنا عذاب نازل کرنے سے پہلے اپنی اسی سنت کے مطابق کسی رسول کو ان کی ہدایت کے لیے ضرور بھیجا ہو گا اور جب انھوں نے اس رسول کو جو

خود ان کی اپنی قوم جن سے تھا قتل کر دیا تو خدا نے اپنی اسی سنت کے ماتحت اپنے کچھ فرشتوں کو تعینات کیا جنھوں نے ان جنوں کو زمین سے باہر نکال کر بے دخل کر دیا اور خود زمین پر سکونت اختیار کر کے خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہو گئے جیسا کہ ائمۂ اہل بیتؑ کی ایک تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ (حیات القلوب جلد ۱ صفحہ ۳۲)

قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ جن خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو یا تو اس رسُول کی ہدایت سے ایمان لائے ہوں جو ان کی ہی قوم جن سے تھا اور ان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا اور انھیں میں جنوں کا سردار ابلیس بھی تھا جو ملائکہ کی صحبت اختیار کر کے ان کے ساتھ ہی رہنے لگا تھا اور ملائکہ کی طرح عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف ہو گیا تھا یا خدا نے ان فرشتوں کو پہلے ان جنوں کو ہدایت کرنے کا فریضہ سپرد کیا ہو، تا کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے جو ایمان لانا چاہے وہ ایمان لے آئے۔ لہٰذا کچھ جن ان فرشتوں کی ہدایت سے ایمان لے آئے ہوں اور وہ فرشتوں ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں جن میں جنوں کا سردار ابلیس بھی تھا اور باقی جن جو سرکشی پر ڈٹے رہے فرشتوں نے ان کو زمین سے باہر نکال دیا اور خود زمین میں سکونت اختیار کر کے خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہو گئے۔ (حیات القلوب جلد ۱ صفحہ ۳۲)

ابلیس فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا

ابلیس کے فرشتوں کی صحبت میں رہنے اور فرشتوں کی طرح سے فرشتوں کے ساتھ عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف رہنے کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے اور نہ اس کے ایمان لانے پر کسی کو اختلاف ہے جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں "کان من الکافرین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

ان الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ابلیس سجدے سے انکار کرنے میں اکیلا نہ تھا بلکہ جنوں کی ایک جماعت نافرمانی پر آمادہ ہو گئی تھی اور ابلیس کا نام صرف اس لیے لیا گیا ہے کہ وہ ان کا سردار تھا اور اس بغاوت میں پیش پیش تھا لیکن اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جنوں کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش و نافرمان تھی اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھے۔ اس تفسیر کی رو سے آیت کا مفہوم دو مطالب میں حصر کر گیا ہے۔ پہلے مطلب کی رو سے ابلیس کے ساتھ جنوں کی ایک جماعت بھی ایمان لائے ہوئے تھی لیکن سجدہ آدم کے مسئلہ پر نافرمان اور سرکش ہو گئی اور ابلیس کا نام صرف اس لیے لیا گیا کیوں وہ ان کا سردار تھا۔ اور دوسرے مطلب کی رو سے صرف ابلیس ایمان لایا تھا لیکن جس جماعت سے وہ تعلق رکھتا تھا وہ بدستور سرکش اور نافرمان تھی۔

ابلیس نے سرکشی کیوں اختیار کی

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ امر مسلمہ ہے کہ ابلیس ایمان لائے ہوئے تھا، خواہ وہ اس رسُول کی ہدایت سے ایمان لایا ہو جو اسی کی قوم جن سے تھا یا اب فرشتوں کی ہدایت سے ایمان لایا ہو، بہر حال وہ ایمان لا چکا تھا اور فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ اور فرشتوں کی طرح

عبادت میں ایسا مگن رہتا تھا کہ اس پر فرشتہ ہونے کا گمان ہونے لگا تھا، تو اس نے سرکشی و نافرمانی کیوں اختیار کی۔

اَئِمَۂ اہلِ بیتؑ کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ "جب خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کارِ ہدایت انجام دینے کے لیے زمین پر بھیجنے کا ارادہ کیا تو خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں سے جو زمین پر سکونت پذیر تھے یہ کہا کہ اب میں تمھیں اوپر بلا رہا ہوں اور زمین پر تمھاری جگہ تمھارا ایک جانشین یعنی خلیفہ بنا رہا ہوں۔

مذکورہ روایت ہم نے تائید کے طور پر لکھ دی ہے ورنہ خدا کے قول: "اذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خليفة" کا صحیح مفہوم یہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال اس وقت زمین پر خدا کی مخلوقات میں سے عقل و شعور رکھنے والی صرف دو اصناف یعنی فرشتے اور جن ہی موجود تھے۔ لہٰذا فرشتوں نے بجا طور پر یہ سمجھا کہ ان کو اوپر بلانے کی صورت میں روئے زمین پر چونکہ جنوں کے سوا اور کوئی مخلوق موجود نہیں ہے جن میں سے کسی کو ان کا جانشین و خلیفہ بنایا جاسکے۔ لہٰذا ان میں سے ہی کسی کو ان کا جانشین و خلیفہ بنایا جاسکے گا۔ اور فرشتوں نے جنوں کا فساد فی الارض سرکشی و نافرمانی کشت و خون اور قتل و غارت گری بچشم خود کھلی آنکھوں سے دیکھی تھی اور وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتے تھے کہ کوئی غیر معصوم ان کا جانشین و خلیفہ بننے اور کار ہدایت انجام دینے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انی جاعل فی الارض خليفة کا اعلان سُنتے ہی انھوں نے بجا طور پر یہ پوچھا تھا کہ کیا تو انہی میں سے کسی کو ہمارا جانشین و خلیفہ بنا دے گا جو فساد فی الارض، کشت و خون اور قتل و غارت گری کریں گے، جیسا کہ یہ پہلے کرتے رہے ہیں۔ فرشتے عالم الغیب تو تھے نہیں اور نہ ہی انھیں اس بات کا کوئی علم تھا کہ عالم ارواح میں سے ایک نئی مخلوق کو ان کا جانشین بنا کر بھیجا جائے گا۔ اسی وجہ سے انھوں نے ایک اصول کی بات کہی تھی اور وہ یہ تھی کہ کوئی غیر معصوم کسی معصوم کا جانشین بننے کا اہل نہیں ہوتا، اور ایسا شخص جو پہلے سرکش و نافرمان رہا ہو وہ ایمان تو لاسکتا ہے لیکن معصوم نہیں بن سکتا۔ اور اسی وجہ سے خدا نے ان سے یہ کہا تھا کہ جنھیں تم سمجھ رہے ہو میں ان میں سے کسی کو تمھارا جانشین نہیں بناؤں گا۔ بلکہ میں جسے تمھارا خلیفہ و جانشین بنا رہا ہوں اس کے بارے میں تو تم کچھ جانتے ہی نہیں اور انی اعلم ما لا تعلمون کا مطلب یہی ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جس اصول کی بنا پر فرشتوں نے وہ بات کہی تھی اس کی طرف تو کسی نے توجہ ہی نہیں دی اور غیر متعلقہ بحث میں الجھ گئے۔ کیونکہ فرشتوں کے کہنے کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی شخص جو کبھی بھی فاسق و فاجر اور غیر معصوم رہا ہو، وہ ان کا جانشین نہیں بن سکتا۔ مگر چودہ سو سال تک بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں کو خلیفہ کہنے والے علماء اور دانشوروں نے اس کا یہ مطلب بنایا کہ بے شک وہ فاسق ہو فاجر ہو فساد فی الارض کرنے والا ہو۔ قتل و غارت گری اور کشت و خون کرنے والا ہو اور چاہے جتنا بھی بڑے سے بڑا گنہگار ہو مگر میں نے اسے ایسی صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے کہ جسے تم نہیں جانتے مگر میں ان صلاحیتوں سے واقف ہوں۔ لہٰذا میں اس کے فسق

وفجور اور فسادفی الارض کے باوجود اسی کو تُمھارا نہیں بلکہ اپنا خلیفہ بناؤں گا۔ انی جاعل فی الارض خلیفة کا اعلان سن کر جہاں فرشتے یہ سمجھے تھے کہ چونکہ ان کے اوپر بلائے جانے کے بعد زمین پر جنوں کے سوا کوئی اور مخلوق ہے ہی نہیں لہذا ان ہی میں سے کسی کو ان کا جانشین وخلیفہ بنایا جائے گا۔ وہاں حتماً ابلیس نے بھی اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کے اوپر بلائے جانے کے بعد اسی کو فرشتوں کا جانشین و خلیفہ بنایا جائے گا۔ کیونکہ وہ جنوں کا سردار ہے۔ خدا پر ایمان لائے ہوئے ہے، فرشتوں کے ساتھ ہی خدا کی عبادت میں مصروف ہے اور ہر وقت فرشتوں کی صحبت میں رہتا ہے اور فرشتوں کا انتہائی قریبی صحابی ہے۔ لہذا اس کے سوا فرشتوں کا جانشین وخلیفہ اور کوئی نہیں بن سکتا۔ لیکن جب فرشتوں سے خدا نے یہ کہا کہ انی اعلم ما لا تعلمون جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جن کو تم نے سمجھا ہے میں ان میں سے کسی کو تُمھارا جانشین وخلیفہ نہیں بناؤں گا، تو جہاں فرشتوں کو یہ اطمینان ہو گیا کہ ان فسادفی الارض کے عادی اور کشت و خون اور قتل وغارت گری کرنے والے جنوں میں سے کسی کو ان کا جانشین نہیں بنایا جائے گا، وہاں ابلیس کو بھی جو فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا یہ یقین ہو گیا کہ خدا اس کو فرشتوں کا جانشین نہیں بنائے گا۔ بلکہ کسی اور کو فرشتوں کا جانشین بنا کر بھیجے گا۔ لہذا وہ اپنے خلیفہ بنائے جانے کی طرف سے مایوس ہو گیا اور دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ جس کو بھی خدا ان کا جانشین بنا کر بھیجے گا میں اس کی اطاعت نہیں کروں گا۔ اور اس مایوسی کی بنا پر خدا نے اس کا نام ابلیس رکھا جس کے معنی ہیں "انتہائی مایوس" جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ:

(۳۶) ابلیس: لفظی ترجمہ: "انتہائی مایوس"۔

یہ اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدم اور بنی آدم کے لیے مطیع ومسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مُہلت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے۔ اسی کو "الشیطان" بھی کہا جاتا ہے۔

اب ہم ایک دوسرے انداز سے غور کرتے ہیں کہ اس رسُول کے آنے کے بعد جو جنوں ہی کی قوم سے تھا اور جن تھا اور آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے کے درمیانی عرصہ میں جو قرآن کے مطابق بہت طویل اور لمبا عرصہ ہے جنوں کو کسی ہدایت کی ضرورت تھی یا نہیں؟۔

جنوں کو بھی ھدایت کی ضرورت تھی

جب یہ ثابت ہو گیا کہ: جن زمین پر انسانوں سے پہلے آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح مُکلف تھے اور قدرت کی نظر میں ان کی خلقت کا مقصد بھی انسانوں کی طرح عبادت ہی تھا تو ضروری ہے کہ قدرت نے ان کی ہدایت کا کوئی اِنتظام بھی کیا ہو گا، کیونکہ ارشادِ قدرت ہے:

ان علینا للھدیٰ و ان لنا للاٰخرۃ و الاولیٰ

(مُکلفین کے لیے) ہدایت کا انتظام کرنا ہماری ہی ذمہ داری ہے اور دنیا و آخرت کے مالک ہم ہی ہیں۔

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ آدم سے پہلے زمین پر جن آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح مکلف تھے۔ لہذا ان کو بھی ہدایت کی ضرورت تھی اور خدا ہدایت کے بغیر ان سے باز پرس نہیں کر سکتا تھا، پس جس طرح آدم کے بعد انسانوں میں کے ہادی ان کے لیے بھی ہادی تھے اور وہ ان پر ایمان لاتے تھے جیسا کہ وہ پیغمبر خاتم پر اور قرآن پر ایمان لائے، اسی طرح آدم سے پہلے بھی انھیں ہدایت کی ضرورت تھی اور آدم سے پہلے بھی ضرور ضرور ان کے پاس ہدایت کرنے والے آئے تھے، لہذا خدا نے جن فرشتوں کے سامنے آدم کی خلافت کا اعلان کیا وہ وہی ملائکہ رسل تھے جو جنوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے اور خدا نے جنوں کی ہدایت کے لیے اس وقت مذکورہ فرشتوں کو ہی مقرر کیا ہوا تھا، جیسا کہ خود خدا نے فرشتوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك"۔

"اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور زمین کو تیرے لیے پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں"۔

آیت کے اس حصہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھ لیا، جیسا کہ فرشتوں نے کسی دھاگے میں دانے پروئے ہوئے تھے اور دانے پر دانہ ڈال کر سبحان اللہ سبحان اللہ سبحان اللہ اور الحمدللہ الحمدللہ الحمدللہ کا ورد کر رہے تھے۔ لیکن نقدس لک کے بارے میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ یہاں نقدسک نہیں ہے بلکہ نقدس لک ہے۔ یعنی تیرے لیے اس چیز کو پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں جس پر وہ ہیں، یعنی زمین کو پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں "نسبح" فعل مضارع ہے جو اپنے لغوی معنی دے رہا ہے یعنی فرشتوں نے دراصل یہ کہا ہے کہ ہم تیری توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں، ہم تیری صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ بیان کر رہے ہیں۔ یعنی ہم تیری صفات جلال اور صفات جمال و کمال سے تیری مخلوق کو آگاہ کر رہے ہیں اور زمین سے کفر و شرک و نفاق کے مٹانے اور تیری زمین کو پاک و پاکیزہ بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دراصل اگر کوئی شخص یہ کہہ رہا ہو کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے وہ مرکب نہیں ہے، وہ کسی میں حلول نہیں کرتا، وہ کسی مکان میں محدود نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، تو یہ شخص حقیقت میں خدا کی پاکی بیان کر رہا ہے اور اسے ہر عیب سے پاک قرار دے رہا ہے۔ اور یہی حقیقت میں اس کی تسبیح ہے۔ چاہے زبان سے سبحان اللہ سبحان اللہ نہ بھی کہہ رہا ہو۔ کیونکہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا تو اس کو ہر نقص و عیب سے پاک جاننے کا اقرار ہے اور یہ کہنا کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے کہ خدا قدیم ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، سرمدی ہے، مُحیی ہے، مدرک ہے وغیرہ وغیرہ تو حقیقت میں وہ اس کی حمد کر رہا ہے اور اس کے صفات جمال و کمال کو بیان کر رہا ہے، چاہے زبان سے الحمدللہ الحمدللہ یہ بھی کہہ رہا ہو۔ کیونکہ الحمدللہ کہنا تو اس کی صفات ثبوتیہ کا اقرار کرنا ہے اور اسے قدیم و ازلی و ابدی وغیرہ کہنا اس کی حمد بیان کرنا ہے اور فرشتوں نے یہی بات کہی تھی کہ ہم تیری

حمد کے ساتھ تیری پاکی کا بیان کر رہے ہیں۔ گویا انھوں نے اپنا وظیفہ بیان کیا تھا کہ وہ اس وقت زمین کی موجودہ مخلوق کو ہدایت کرنے پر مامور ہیں اور انھیں ہدایت کر رہے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ ملائکہ جنھوں نے یہ مذکورہ بیان دیا تھا، زمین پر بطور ہادی کے تعینات تھے اور یہاں سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جو بطور اعتراض کے پیش کیا جاتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں ابلیس کو یہ حکم نہیں دیا تھا۔ کیونکہ وہ تو جنوں میں سے تھا۔ "کان من الجن" اور وہ آیت جس میں آدم کو سجدہ کا حکم دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الآدم فسجدو الا ابلیس

یعنی "جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔

سوال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ: "جب ابلیس فرشتہ تھا ہی نہیں تو اس کو یہ حکم تھا ہی نہیں۔ لہٰذا اس نے کوئی نافرمانی نہیں کی"۔ مفسرین نے اس کا مختلف انداز سے **جواب** دیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ:

جب خدا قرآن میں "یا ایھا الذین آمنوا" کہتا ہے تو اس میں مومن و منافق سب شامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تشبیہ مع الفارق ہے۔ منافق ظاہر میں ایمان لائے ہوئے ہوتے ہیں اور یہاں بالفاظ واضح فرشتوں کو حکم ہے اور ابلیس کو بالفاظ واضح خدا نے "جن" کہا ہے: "کان من الجن" (الکھف ۱۸: ۵۰) لہٰذا یہ جواب کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ قرآن دو آیات میں واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ ابلیس کو بھی یہ حکم دیا گیا تھا۔

پہلی آیت میں کہتا ہے:

کان من الجن ففسق عن امر ربہ (الکھف ۱۸: ۵۰)

ابلیس قوم جن سے تھا اس لیے اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم ابلیس کو بھی تھا۔ دوسری آیت اس سے زیادہ واضح ہے جہاں فرماتا ہے:

قال ما منعك الا تسجد اذ امرتك

خدا نے فرمایا: اے ابلیس جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا۔

اس آیت میں خدا واضح طور پر ابلیس سے کہہ رہا ہے: "اذ امرتك"۔ "جب میں نے تجھے حکم دیا تھا"۔

لیکن اصل حکم کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الآدم (البقرۃ ۲: ۳۴)

"جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو"۔

اور ابلیس کے بارے میں خود ہی یہ کہا ہے کہ:

کان من الجن (الکھف ۱۸: ۵۰)

"وہ قوم جن سے تھا"۔

اب حکم فرشتوں کو ہو اور ابلیس قوم جن سے ہو تو حکم اس کو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمین پر قوم جن ان فرشتوں کے تابع تھی اور وہ فرشتے جن کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا زمین پر فرشتوں کی

ہدایت کے لیے مامور تھے اور ہر ہادی کو دیا گیا حکم اس پر ایمان لانے والوں پر اسی طرح سے لاگو ہوتا ہے جس طرح سے اس رہبر و رہنما اور ہادی پر لاگو ہوتا ہے جیسے کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ کے بارے میں کہتا ہے:

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ و المؤمنون.

(البقرۃ ۲ : ۲۸)

"جو حکم بھی پیغمبرؐ پر نازل کیا گیا اس پر ہمارا رسُول بھی ایمان لایا ہے اور مومنین بھی ایمان لائے ہیں"۔ اسی طرح جب قرآن میں اپنے رسُول کو یہ حکم دیتا ہے کہ:

"یاایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین"۔ (التوبۃ ۹ : ۷۳)

"اے نبی! کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو"۔

تو یہ "جہاد" پیغمبر پر ایمان لانے والوں پر بھی واجب ہو جاتا ہے۔

اور جب قرآن میں اپنے پیغمبرؐ کو یہ حکم دیتا ہے:

و اتموا الحج و العمرۃ للّٰہ

"اے پیغمبرؐ تم اللہ کے لیے حج اور عمرہ بجا لاؤ"۔

تو یہ حج اور عمرہ آپ کی امت پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے جتنے احکام خدا اپنے بھیجے ہوئے ہادی کو دیتا ہے وہ احکام اس بھیجے ہوئے ہادی پر ایمان لانے والوں پر بھی واجب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جب خدا نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الآدم

تو یہ حکم ابلیس پر بھی اس طرح لاگو ہو گیا۔ کیونکہ ابلیس وہ واحد "جن" تھا جو فرشتوں کی تبلیغ سے ایمان لے آیا تھا اور پکا موحد بن کر فرشتوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا۔ یعنی ابلیس ملائکہ کا اکلوتا صحابی تھا اور امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے قول کے مطابق اس نے ایک ہی سجدہ اتنا طویل کیا تھا کہ چھ ہزار سال تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا۔ پس فرشتوں کو دیا ہوا حکم ابلیس پر صرف اسی صورت میں لاگو ہو سکتا ہے جب کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فرشتے جن کے سامنے یہ اعلان کیا گیا ملائکہ کی اس قسم مین سے تھے جو ملائکہ رسل کہلاتے ہیں۔ یہ زمین پر جنوں کی ہدایت کے لیے مامور تھے اور توحید کی تبلیغ کر رہے تھے اور سرکش، مشرک اور فسادی اور خونریزی کرنے والے جنوں کے سامنے خدا کی صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ کا بیان کر رہے تھے اور انھیں خدا کی صفات جلال اور صفات جمال و کمال کا درس دے رہے تھے۔

اس سارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ مذکورہ اعلان جانشینی سارے فرشتوں کے سامنے نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیا گیا تھا جن کا آدم کو جانشین بنانا تھا، اور جو زمین پر خدا کے مامور کردہ ہادی کے فرائض ادا کر رہے تھے اور اس بات کی تائید کہ یہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیا گیا تھا جو زمین پر رہتے تھے۔ بعض اسلامی روایات سے بھی ہوتی ہے۔

آئیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیوں کیا؟

(باقی آئندہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

باب المتفرقات
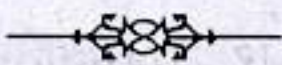
مَولودِ کعبہ

تحریر: علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم

خانہ کعبہ ایک قدیم ترین عبادت گاہ ہے جس کی بنیاد آدم علیہ السلام نے ڈالی، اور جس کی دیواریں ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اٹھائیں۔ اگرچہ یہ گھر بالکل سادہ، نقش و نگار سے معرا، زینت و آرائش سے خالی اور چونے اور پتھروں کی سیدھی سادی عمارت ہے مگر اس کا ایک ایک پتھر برکت و سعادت کا سرچشمہ اور عزت و حرمت کا مرکز و محور ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

جعل اللہ الکعبة البیت الحرام

اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر قرار دیا ہے۔

خانہ کعبہ کی یہ عزت و حرمت دائمی و ابدی ہے جو نہ پہلے زمانہ و وقت کی پابند تھی اور نہ اب ہے۔ بلکہ روز تعمیر سے اسے بلند ترین عظمت اور غیر معمولی مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے اور اب بھی اس کی مرکزیت و اہمیت بدستور قائم ہے۔ جس کا اظہار مختلف اسلامی عبادات کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان چاہے وہ مشرق کا باشندہ ہو یا مغرب کا، عرب کا رہنے والا ہو یا عجم کا، جب بھی نماز کے لیے کھڑا ہوگا اسے ہی عبادت کی مرکزی سمت قرار دے گا۔ اور اس کے گرد چکر لگانا اور طواف کرنا اس احتیاط کے ساتھ کہ شانے اس کی سمت سے منحرف نہ ہونے پائیں، حج کا ایک بڑا رکن اور اس کی عظمت و تقدیس کا ایک خاص مظاہرہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اسی متبرک و باعظمت گھر میں روز جمعہ تیرہ رجب تیس عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اور یہ شرفِ خاص نہ ان سے پہلے کسی کو ملا اور نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوگا۔ محدثین و اہل سیر نے اسے حضرت امیرالمومنینؑ کے مختصات میں شمار کرتے ہوئے اپنے کتب و مصنفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری تحریر کرتے ہیں:

تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ فی جوف الکعبة۔ (مستدرک جلد۳ صفحہ ۴۸۳)

اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وسط خانہ کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے متولد ہوئے۔

شاہ ولی اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اس امر کی صراحت کی ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت

امیرالمومنین علیا فی جوف الکعبة فانہ ولد فی یوم الجمعة ثالث عشر من شھر رجب بعد عام الفیل بثلثین سنة فی الکعبة و لم یولد فیھا احد سواہ قبلہ و لا بعدہ۔ (ازالة الخفاء صفحہ ۲۵۱)

متواتر روایات سے ثابت ہے کہ امیرالمومنین علیؑ روز جمعہ ۱۳ر رجب سنہ ۳۰ عام الفیل کو وسطِ کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئے اور آپؑ کے علاوہ نہ آپؑ سے پہلے اور نہ آپؑ کے بعد کوئی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا۔

عصرِ نو کے مصنف عباس محمود عقاد نے اس مبارک پیدائش کو خانہ کعبہ کی عظمت پارینہ کی تجدید اور خدائے واحد کی پرستش کے دورِ جدید سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ولد علی فی داخل الکعبة و کرم اللہ وجھه عن السجود لاصنامھا فکانما کان میلادہ ثمة ایذانا بعھد جدید للکعبة و للعبادة فیھا۔ (العبقریة الاسلامیة صفحہ ۸۶۳)

علی بن ابی طالبؑ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور خداوند عالم نے ان کے چہرے کو بتان کعبہ کے آگے جھکنے سے بلند تر رکھا۔ گویا اس مقام پر حضرت کی پیدائش کعبہ کے نئے دور کا آغاز اور خدائے واحد کی پرستش کا اعلانِ عام تھا۔

اس طرح تقریباً ہر مورخ و سیرت نگار نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ کچھ لوگوں نے اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے ایسے گوشے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے اس کی امتیازی و انفرادی حیثیت ختم ہوجائے اور یہ شرف، شرف نہ رہے، یا علیؑ سے مخصوص نہ رہے۔ چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ خانہ کعبہ کے اندر ولادت میں رکھا ہی کیا ہے۔ جب کہ وہ اس وقت ایک بت خانہ کی حیثیت رکھتا تھا اور چاروں طرف سے بتوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کا جواب تو اتنا ہی کافی ہے کہ اگر مسجد کو مندر یا کلیسا میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ حکم مسجد سے خارج نہیں قرار پاتی، بلکہ اس کی حرمت و تقدیس بدستور باقی رہتی ہے۔ اسی طرح بتوں کے عمل دخل سے خانہ کعبہ کی بھی حرمت و توقیر زائل نہیں ہوسکتی اور نہ اس کے دامنِ تقدیس پر حرف آسکتا ہے۔ چنانچہ جب اسے عالم اسلام کا قبلہ قرار دیا گیا تو اس وقت بھی اس کے گرد و پیش بت رکھے ہوئے تھے۔ مگر یہ بت اس کے قبلہ قرار پانے سے مانع نہ ہوسکے۔ اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ عام الفیل سے تیرہ سال قبل فاختہ بنت زہیر کے بطن سے حکیم ابن حزام بھی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا تھا تو اس میں شرف ہی کیا، جب کہ ایک کافر بھی وہاں پیدا ہوسکتا ہے۔

یہ واقع ان وسیع النظر علماء و مؤرخین کے تصریحات کے خلاف ہے جنھوں نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ حضرت علیؑ سے پہلے اور ان کے بعد کوئی خانہ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ اور پھر یہ مقام شرف ہے تو مسلم کے واسطے نہ کافر کے لیے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر وہاں پر پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ سبب اعزاز و افتخار نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ کفر کے ساتھ اس قسم کے امتیازات موردِ فخر نہیں قرار پاسکتے۔ اگر کفر کی حالت میں زیارتِ رسولؐ وجہ شرف نہیں اور زیارت کعبہ قابل تعریف نہیں تو اس میں پیدائش کیونکر وجہ نازش ہوسکتی ہے۔ البتہ اگر

ایمان کے ساتھ ایسا ہوتا تو سبب امتیاز ہو سکتا تھا۔ اور علی بن ابی طالبؑ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ وہ نہ محکوم بالکفر تھے اور نہ کافر پیدا ہوئے۔ چنانچہ کتب اہلِ سنت میں یہ روایت موجود ہے کہ: "جب آپؑ شکمِ مادر میں تھے اور ماں بتوں کے آگے سرنگوں ہونا چاہتی تھیں تو آپؑ شکمِ مادر میں اس طرح پیچ و تاب کھاتے کہ وہ بتوں کے آگے جھک نہ سکتی تھیں"۔

اگرچہ یہ روایت شیعہ نُقطۂِ نظر سے قابلِ تسلیم نہیں ہے مگر اتنا تو واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک بھی علیؑ کی زندگی کا کوئی لمحہ بطنِ مادر سے لے کر آغوشِ لحد تک کفر و شرک میں نہیں گزرا۔ اور پھر جنھوں نے ابن حزام کی ولادت کے مُتعلق لکھا ہے انھوں نے اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے جس سے کسی شرف و بلندی کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر امیرالمومنینؑ کی ولادت کسی اتفاقی حادثہ کی بجائے مشیت ایزدی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ عباس بن عبدالمُطّلب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور یزید بن قعنب اور بنی ہاشم بنی عزیٰ کے چند افراد خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ فاطمہ بنت اسد تشریف لائیں اور خانہ کعبہ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ابھی ایک آدھ لمحہ گزرا تھا کہ ان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ لرزتے ہوئے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔ مُضطرب نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! میں تُجھ پر اور تیرے نبیوں پر اور تیری نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں، تو اس باعزت گھر، اس گھر کے معمار اور اس مولود کے صدقہ میں جو میرے شکم میں ہے میری مُشکل حل کر اور اس کی ولادت کو میرے لیے آسان کر دے۔ مُجھے یقین ہے کہ یہ مولود تیرے جلال و عظمت کی نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی ہے اور تو ضرور میری مُشکل آسان کرے گا"۔

عباس کہتے ہیں کہ: "جب فاطمہ بنت اسد اس دعا سے فارغ ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کی عقبی دیوار شق ہوئی اور وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً اس نئے در سے اندر داخل ہو گئیں اور دیوارِ کعبہ شگافتہ ہونے کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر پلٹ آئی۔ گویا اس میں کبھی شگاف پڑا ہی نہ تھا"۔

اس واقعہ کی صحت کو علماء شیعہ کے علاوہ علماء اہلِ سنت نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علماء اہلِ تشیّع میں سے ابوجعفر طوسی نے "امالی" میں، علامہ مجلسی نے "بحار" میں، اور علماءِ اہلِ سنت میں سے میر صالح کشفی نے "مناقب" میں، اور مولوی محمد مبین نے "وسیلۃ النجاۃ" میں اسے درج کیا ہے۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صورت یکایک اور اتفاقیہ طور پر پیش نہیں آئی۔ اگر یہ اتفاقی حادثہ ہوتا تو نہ خرق عادت کے طور پر دیوار شق ہوتی اور اور نہ بنت اسد دیوار کے شگاف سے درانہ و بیباکانہ اندر داخل ہوتیں۔ بلکہ یہ غیبی طاقت ہی کا کرشمہ اور قدرت کی کارفرمائی ہی کا نتیجہ تھا۔ اس ولادت کے تین دن بعد تک فاطمہ بنت اسد بیت اللہ میں رہیں اور چوتھے دن مولودِ نو کو گود میں لیے ہوئے باہر آئیں۔

در پس پردہ آنچہ بود آمد
اسد اللہ در وجود آمد

پیغمبرِ اکرم جو منتظر و چشم براہ تھے آگے بڑھے اور اپنے محسن و مربی چچا کے لختِ جگر کو ہاتھوں پر لے کر سینہ سے لگایا۔ بچے نے شمیم نبوت سونگھ کر آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے جمالِ جہاں آرائے حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا۔ پیغمبرؐ نے اپنی زبان نومولود کے منہ میں دے کر آبِ وحی سے چمنِ امامت کی آبیاری کی۔ علم نبوت لعابِ دہن رسولؐ میں حل ہو کے علیؑ کے رگ و پے میں اترا۔ اور زبانِ پیغمبرؐ نے گواہی دی کہ "حصنی بالنظر و خصصته بالعلم"۔ اس نے مجھے پہلی نگاہ کے لیے منتخب کیا میں نے اسے علم کے لیے منتخب کر لیا۔

حضرت علیؑ کو خانہ کعبہ سے کئی نسبتیں حاصل ہیں۔ پیغمبرؐ نے انھیں مثیلِ کعبہ فرمایا۔ انہی کے آباء و اجداد نے اسے تعمیر کیا اور وہی ہمیشہ اس کے پاسبان و نگہبان رہے اور اسے طاغوتی طاقتوں کی دستبرد سے بچاتے رہے۔ چنانچہ حسان بن عبد کلال نے اسے مسمار کرنا چاہا تو فہر بن مالک نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ابرہہ بن اشرم نے ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تو حضرت عبد المطلب درِ کعبہ پر جم کر کھڑے ہو گئے۔ اگر بت پرستوں نے اسے صنم کدہ بنا ڈالا تو انہی کے ہاتھوں نے پیغمبرؐ کے دوش پر بلند ہو کر اس کی تطہیر کی اور ایک ایک بت کو توڑ پھوڑ کر باہر پھینکا اور یہی ان کا مولد قرار پایا اور اس طرح ان کی ولادت کعبہ کی طہارت کی تمہید بن گئی۔

اگر آپؑ کی ولادت کو مکانی لحاظ سے بھی یہ شرف ہے کہ بنائے خلیل مطاف خلق اور مامن عالم میں پیدا ہوئے تو زمانی لحاظ سے بھی یہ شرف ہے کہ آپ ماہِ رجب میں پیدا ہوئے جو حرمت والے مہینوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی محترم مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو پیغمبرِ اکرمؐ کی بعثت ہوئی اور دعوتِ اسلام کا آغاز ہوا۔ یہ ولادت و بعثت کا زمانی اتحاد علیؑ اور اسلام کے اتحاد باہمی کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ کردارِ علیؑ اسلامی تعلیمات کا عکس بردار، اور اسلامی تعلیمات سیرتِ علیؑ کا آئینہ ہیں۔ دونوں ایک ساتھ پیغمبرؐ کے سایہ میں پروان چڑھے اور دونوں ایک دوسرے کی عظمت و رفعت کے پاسبان رہے۔

نام، لقب، کنیت

حضرت ابو طالبؑ نے اپنے جد قصی بن کلاب کے نام پر آپ کا نام زید رکھا اور فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ اسد کے نام پر حیدر نام تجویز کیا۔ (اسد اور حیدر دونوں کے معنی شیر کے ہیں) چنانچہ آپ نے جنگ خیبر میں مرحب کے رجز کے جواب میں فرمایا: انا الذی سمتنی امی حیدرا۔ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ اور پیغمبرِ اکرم نے قدرت کے ایماء پر آپ کو علیؑ کے نام سے موسوم کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابو طالب ہی نے آپؑ کا نام علیؑ رکھا۔ اور سند میں ان کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

سمیته بعلی کے یدوم له
عزا العلو و فخر العزا دومه

میں نے ان کا نام علیؑ رکھا ہے تاکہ رفعت و

سربلندی کی عزت ہمیشہ ان کے پائے نام رہے اور عزت ہی وہ سرمایہ افتخار ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ نام جو اپنے اندر علو و بلندی کے معنی رکھتا ہے اسم بامسمّیٰ ثابت ہوا اور ہمیشہ کائنات میں بلند و بالا، پستی سے ناآشنا، رزم و بزم میں وردِ زباں اور زمین کی فضاؤں سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک گونجتا رہا۔ اگرچہ اموی حکمرانوں نے حضرتؑ کے نام اور کنیت پر پہرا بٹھا دیا تھا اور اس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے، چنانچہ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں تحریر کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس کے فرزند کا نام علیؑ اور کنیت ابوالحسن تھی۔ ایک دن علی بن عبداللہ، عبدالملک کے ہاں گئے تو اس نے کہا کہ میں تمھارا یہ نام اور گوارا نہیں کرسکتا۔ انھوں نے اپنا نام تو نہ بدلا مگر کنیت ابوالحسن کے بجائے ابومحمد رکھ لی۔ اسی ذہنیت کے زیر اثر صدیوں تک اسلامی حکمرانوں میں سے کسی کا نام علی نہ ہوسکا۔ مگر آج محمد کے بعد مُسلمانوں میں سب سے زیادہ علی ہی کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں اور صدیوں تک متروک اور سب و شتم کا ہدف قرار دیے جانے کے باوجود آخر یہ نام اسلام کے ساتھ ساتھ ہر گوشۂ عالم میں پہنچ کے رہا۔

آپ کے القاب آپ کے متنوع اور گوناگوں اوصاف کے لحاظ سے مُتعدد ہیں۔ جن میں سے مرتضیٰ، وصی اور امیرالمومنین زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہُور و معروف کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ پہلی کنیت بڑے بیٹے حسنؑ کے نام پر ہے۔ اور عرب عمُوماً فرزند اکبر ہی کے نام پر کنیت رکھا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوطالب کی کنیت اپنے بڑے فرزند طالب کے نام پر ابوطالب اور حضرت عبدالمُطّلب کی کنیت اپنے بڑے بیٹے حارث کے نام پر ابوالحارث تھی۔ اور دوسری کنیت پیغمبرِ اکرمؐ نے تجویز فرمائی تھی۔ چنانچہ: سیرت ابن ہشام میں ہے کہ غزوۂ عشیرہ کے موقع پر حضرت علیؑ اور عمار بن یاسر بنی مدلج کے ایک چشمہ کی طرف نکل گئے اور درختوں کے سایہ میں ایک نرم و ہموار زمین پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پیغمبرِ اکرمؐ بھی ادھر آگئے اور علیؑ کا بدن خاک میں اٹا ہوا دیکھ کر فرمایا:

مالک یا ابا تراب؟

اے ابوتراب یہ کیا حالت ہے؟۔

اور اس دن سے آپ کی کنیت ابوتراب قرار پائی۔

علامہ حلبی نے تحریر کیا ہے:

و کنی ﷺ فیھا علیا بابی تراب حین وجدہ نائما ھو و عمار بن یاسر و قد علق بہ التراب۔

"غزوۂ عشیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب رکھی جب کہ رسُولِ خدا نے انھیں اور عمار بن یاسر کو سوتے ہوئے پایا اور علیؑ خاک میں اٹے ہوئے تھے"۔ (سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

سب سے پہلے یہ کنیت آپ ہی کے لیے تجویز ہوئی اور آپ سے قبل کسی کی یہ کنیت نہ تھی۔ چنانچہ شیخ علاء الدین نے تحریر کیا ہے:

اول من کنی بابی تراب علی بن ابی طالب۔

سب سے پہلے علی بن ابی طالبؑ ہی ابوتراب کی کنیت سے پکارے گئے۔ (محاضرۃ الاوائل صفحہ ۱۲۳)

اس سلسلہ میں بخاری نے اپنے صحیح میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر اکرمؐ جناب سیدہ کے گھر میں تشریف لائے اور علیؑ کو وہاں موجود نہ پا کر دریافت کیا کہ علیؑ کہاں ہیں؟ جناب سیدہؑ نے کہا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر دیکھو کہ علیؑ کہاں ہیں۔ اس نے مسجد میں حضرت علیؑ کو لیٹے ہوئے دیکھا تو آنحضرتؐ سے پلٹ کر کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ پیغمبرؐ مسجد میں تشریف لائے اور علیؑ کے خاک آلودہ بدن سے گرد جھاڑی اور فرمایا: "قم یا ابا تراب"۔ "ابوتراب اٹھیے"۔ اس کے بعد آپ ابوتراب کی کنیت سے یاد کیے جانے لگے۔

یہ روایت پہلی روایت سے مقام اور واقعہ کے اعتبار سے مختلف ہونے کے علاوہ درایۃً بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کی گھریلو زندگی کے واقعات یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ جناب فاطمہؑ ایک لمحہ کے لیے بھی علیؑ کی شکوہ سنج ہوئی ہوں اور ان دونوں میں ان بن یا رنجش و کشیدگی کی صورت پیدا ہوئی ہو۔ بلکہ ان کی گھریلو زندگی اتحاد و یک جہتی کا معیاری نمونہ تھی۔

حضرت عمار یاسر کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی کنیت ابوترب جمادی الثانیہ ۲ھ میں ہوا تھا۔ یعنی اس کنیت کے تجویز ہونے کے چھ ماہ بعد، تو اس صورت میں نہ رنجش و کشیدگی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ خفگی کی بنا پر گھر چھوڑ کر مسجد میں لیٹنے کا، جب کہ اس وقت جناب سیدہؑ آپ کے نکاح میں تھیں ہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اموی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے جو تنقیص و مذمت اور سب و شتم کے موقع پر حضرت کو اس کنیت سے یاد کرتے تھے۔ اگر یہ کنیت اسی مفروضہ رنجش کے موقع پر تجویز ہوتی تو جس نام کے ساتھ کوئی تلخ یاد یا ناگوار واقعہ وابستہ ہوتا ہے وہ نام کبھی مرغوب و پسندیدہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ حضرتؑ کو یہ کنیت اپنے تمام ناموں سے زیادہ پسندیدہ تھی۔

چنانچہ سہل بن سعد کہتے ہیں:

ماکان لعلی اسم احب الیہ من ابی تراب۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب ناموں سے زیادہ محبوب نام ابوتراب تھا"۔ (صحیح بخاری جزو ۸ صفحہ ۶۳)

حلیہ و سراپا

اعضاء شناسی علم نفسیات کی ایک شاخ ہے جو مسلسل تجربات و مشاہدات سے اخذ نتائج پر مبنی ہے۔ اس سے آنکھ، ناک، پیشانی اور دوسرے اعضاء بدن سے انسان کے عادات و اطوار اور اس کے کردار کے جاننے میں مدد لی جاتی ہے۔ چنانچہ ماہرین فن اعضاء کی ساخت، ڈیل ڈول، ناک نقشہ، اور رفتار و گفتار سے انسان کی شخصیت کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر لیتے ہیں، ان اعضاء شناسوں کے نزدیک ماتھے کا کھلا اور پیشانی کا ابھرا ہونا فہم و ادراک کی، بازوؤں کا طویل و پر گوشت ہونا بزرگی و ریاست کی، بالوں کی سختی شجاعت کی اور آنکھوں کا بڑا ہونا تیزی طبع کی علامت ہے۔ اسی طرح

گردن کا کوتاہ ہونا مکر و تشدد پسندی کی پنڈلیوں کا پر گوشت ہونا حماقت کی، آنکھوں کا چھوٹا اور اندر کو دھنسا ہونا خبث و فریب کی، شانوں کا نازک و باریک ہونا کمزوریٔ عقل کی اور دانتوں میں دراڑوں کا ہونا کمزوری و ضُعف کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ظنّی و **تخمینی علامات** ہیں جنھیں قطعی و یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم ظاہر، باطن کا ایک حد تک عکاس و آئینہ دار ضرور ہوتا ہے۔

سیمائے آدم آئینۂ حالِ باطن است

کُتب تاریخ و سیر کی رو سے امیرالمومنین علیہ السّلام کا حُلیہ مبارک یہ تھا:

جسم بھاری بھرکم، رنگ کھلتا ہوا گندم گوں، خد و خال انتہائی موزوں اور دلکش، چہرہ متبسّم اور چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں۔

ابوالحجاج مدرک کہتے ہیں: "کان من احسن الناس وجھا"۔ سب لوگوں سے زیادہ وجیہ اور حسین تر تھے۔

پیشانی کشادہ۔

ابن عباس کہتے ہیں: "ما رأیت احسن من شرصة علی"۔ میں نے علیؑ کی کنپٹیوں سے حسین تر کسی کی کنپٹیاں نہیں دیکھیں۔

ماتھے پر سجدوں کی کثرت سے گٹھا پڑا ہوا۔ ستواں ناک، آنکھیں بڑی اور سیاہ اور ان میں عزم و ایقان کی چمک۔

ابوالحجاج کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ کی آنکھوں میں سرمہ کے نشان بھی دیکھے ہیں۔ پتلیاں روشن، بھویں قوس نما، پلکیں لانبی، دانت سلک منظّم کی طرح ضیابار۔

ضرار بن ضمرہ کنانی کہتے ہیں:

ان تبسم فعن مثل اللولوء المنظوم۔

اگر مُسکراتے تو دانت موتی کی لڑیوں کی طرح چمکتے۔

گردن موٹی صراحی دار، سینہ چوڑا چکلا اور اس پر بال، بازوؤں کی مچھلیاں ابھری ہوئیں، شانے بھرے بھرے، کلائیاں ٹھوس، کلائیوں اور بازوؤں میں جوڑ کا پتا نہ چلتا تھا۔ دونوں کندھوں کی ہڈیاں چوڑی اور مضبوط، ہتھیلیاں سخت، پنڈلیاں نہ لاغر اور نہ پرگوشت، پیٹ کچھ نِکلا ہوا، ریش مبارک گھنی اور عریض، سر اور داڑھی کے بال سفید۔

محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: "اختضب علی بالحناء مرة ثم ترکه"۔ حضرت علیؑ نے ایک دفعہ مہندی کا خضاب لگایا، اور پھر چھوڑ دیا۔

خود کے کثرتِ استعمال سے سر کے اگلے حصہ پر سے بال اڑے ہوئے۔ قد میانہ سے کچھ نِکلتا ہوا۔ حضرتؑ خود فرماتے ہیں:

"خلقنی معتدلا اضرب القصیر فاقده و اضرب الطویل فاقطه"۔

"اللہ تعالیٰ نے مُجھے قد و قامت میں اعتدال بخشا ہے۔ اگر میرا حریف پست قامت ہوتا ہے تو میں اس کے سر پر ضرب لگا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اور اگر دراز قامت ہوتا ہے تو بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں"۔

آواز پُر شکوہ، رفتار پیغمبرؐ کی رفتار سے مشابہ پُروقار اور کچھ آگے کو جھکی ہوئی۔ جب میدانِ جنگ میں دشمن کی طرف بڑھتے تو تیزی کے ساتھ چلتے اور آنکھوں میں سرخی دوڑ جاتی تھی۔

ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرتؑ کو دیکھ کر کہا: "کانہ کسر ثم جبر"۔ اس جملہ کے لفظی معنی یہ ہیں: "گویا توڑے گئے ہیں اور دوبارہ جوڑے گئے ہیں"۔

اس جملہ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ آپ غیر متوازن اور بے ڈھنگے تھے۔ حالانکہ یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے جس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ سید محسن عاملی نے اعیان الشیعہ میں اور عمر ابوالنصر نے الزہراؑ میں ابن عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ جملہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے بازو بھرے ہوئے اور نظریں زمین کے اندر گڑی ہوں، نہ اس شخص پر جس کا جسم بے جوڑ، بے ڈھنگا اور غیر متوازن ہو۔

اخلاق و عادات

امیرالمومنین علیہ السلام خندہ جبیں، شگفتہ مزاج، بے غرضی و اخلاص کا پیکر، غریبوں کے ہمدرد، یتیموں کے غمخوار، اور اخلاق نبوی کا مکمل نمونہ تھے۔ اعلیٰ و ادنیٰ سے یکساں خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ غلاموں سے عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے۔ مزدوروں کو بوجھ اٹھانے میں مدد دیتے۔ خود بینی و خود نمائی سے نفرت کرتے۔ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے۔ عام لوگوں کی طرح سادہ اور معمولی خوراک کھاتے اور انہی کی طرح عام اور معمولی لباس پہنتے۔ اکثر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے۔ اپنی جوتیاں خود گانٹھتے۔ کپڑوں میں پیوند خود لگاتے اور بازار سے سودا سلف خود خرید کر لاتے۔ کھیتوں میں ایک مزدور کی طرح کام کرتے۔ اپنے ہاتھ سے چشمے کھودتے۔ درخت لگاتے اور ان کی آبیاری کرتے۔ مال سمیٹ کر رکھنے کے بجائے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیتے۔ رنگ و نسل کا امتیاز اور طبقاتی تفریق گوارا نہ کرتے۔ حاجت مندوں کے کام آتے۔ مہمانوں کو بڑے احترام سے ٹھہراتے۔ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ پھراتے۔ بغض و کینہ اور انتقامی جذبات کو پاس نہ پھٹکنے دیتے۔ حیرت انگیز حد تک عفو و درگزر سے کام لیتے۔ دینی معاملات میں سختی برتتے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے۔ حق و صداقت کے جادہ پر گامزن رہتے اور کسی کی رو رعایت نہ کرتے۔ دشمن کے مقابلہ میں مکر و فریب اور داؤ پیچ سے کام نہ لیتے۔ رات کا بیشتر حصہ مناجات و نوافل میں گزارتے۔ صبح کے تعقیبات کے بعد قرآن و فقہ کی تعلیم دیتے۔ خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں رہتے۔ اور دعا و مناجات میں اتنا روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی ــــــــ امیرالمومنینؑ ہیبت و صولت اور رحم و رافت کے امتزاج کا ایک دلکش پیکر اور پہاڑ کے مانند سخت اور اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح نرم تھے۔

حضرتؑ کے اسی دبدبہ و ہیبت اور جذبۂ محبت و عطوفت کو دیکھتے ہوئے ملا علی آذربائیجانی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

اسد اللہ اذا اصال و صاح

ابو الایتام اذا جاد و بر

دشمن کو للکارتے اور اس پر حملہ آور ہوتے تو اللہ کے شیر اور بخشش و احسان کرتے تو یتیموں کے باپ نظر آتے۔

آؤ قرآن سے علاج کریں

امراض کا علاج بذریعہ آیات قرآن

مثلاً کمر درد، جوڑ درد، یرقان، مرگی،

بے اولاد، اٹھرا، جادو ٹونہ کا علاج

بذریعہ آیاتِ قرآن علاج کیا جاتا ہے

اور مسائل کا بذریعہ اسماءِ الٰہی

ماہر معالج بذریعہ آیاتِ قرآن

صاحبزادہ مولانا آصف حسین

296_B_9 سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

0321_6052268

0306_6745653

0333_8953644

خریداران سے گزارش

ماہنامہ "دقائق اسلام" کے بارے میں تجاویز و شکایات و ترسیل زر درج ذیل پتے پر کریں

گلزار حسین محمدی

مدیر ماہنامہ "دقائقِ اِسلام"

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

موبائل نمبر: 0301_6702646

سندِ سفارت

حیدر عباس ولد متاع حسین مرحوم کو رسالہ ماہنامہ "دقائقِ اسلام" اور

جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ زاہد کالونی سرگودھا کا

سفیر مقرر کیا گیا ہے

حیدر عباس موصوف ماہنامہ "دقائقِ اِسلام" کے بقایا جات وصول کرے گا، اور

جامعہ علمیہ سلطان المدارس

کے لیے مومنین سے صدقات واجبات وصول کرے گا۔

نیز ماہنامہ "دقائقِ اِسلام" کے لیے نئے خریدار بنائے گا۔ مومنین سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔ کسی بھی قسم کی رقم کی ادائیگی پر رسید ضرور حاصل کریں۔

فون نمبر: 0306_7872363

منجانب:

آیت اللہ محمد حسین نجفی دام ظلہ العالی

مؤسس و پرنسپل

جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

باب المتفرقات

تعلیم وتربیت کے ذمہ دار حضرات کے لیے

تحریر: استاد محسن قرائتی

زیر نظر مضمون میں دینی تعلیم وتربیت کے ذمے دار حضرات کے لیے ایسے اصول بیان کیے جا رہے ہیں جو تعلیم وتربیت کے صاف وشفاف سرچشمے یعنی قرآن کریم سے ماخوذ ہیں، تاکہ یہ بات ذہن میں موجود رہے کہ یہ اصول کسی انسان کے بنائے ہوئے اور اس کے دریافت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ چنانچہ:

آیت ①: و یقولون علی اللہ الکذب و ھم یعلمون (آل عمران ۳: ۷۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ: "دشمن علم وآگہی اور منصوبہ بندی کے ساتھ وار کرتا ہے۔

آیت ②: امنوا و اتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء و الارض۔ (سورۃ الاعراف، ۷: ۹۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ فکری اور تربیتی میدان میں سرمایہ کاری سے اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

آیت ③: لا یالونکم خبالا (۳: ۱۱۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ دشمن اپنا پہلا وار فکر پر کرتا ہے۔

آیت ④: بکل ساحر علیم (۷: ۱۱۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ دشمن سنگین اور کاری ضرب لگانے کے لیے ہر طرف سے اپنے ماہرین کو اکٹھا کرتا ہے۔

آیت ⑤: حتی زرتم المقابر (سورۃ التکاثر ۱۰۲: ۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ بسا اوقات کچھ لوگ اعداد و شمار سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ مردوں کو بھی شمار کر بیٹھتے ہیں۔

آیت ⑥: الاعراب اشد کفرا و نفاقا۔ (سورۃ التوبۃ ۹: ۹۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ علم و دانش اور فکر و شعور سے بے بہرہ افراد بسا اوقات کفار اور منافقین کے آلۂ کار بن جاتے ہیں اور خود ان سے بھی زیادہ بے منطق ہوجاتے ہیں۔

آیت ⑦: مصدقا لما معکم (سورہ نساء ۴: ۴۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کی اچھی باتیں اور خیالات کو قبول کرنا اور ان کا اقرار کرنا چاہیے۔

آیت ⑧: ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم (سورۃ ھود ۱۱: ۷۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ منکرات سے مقابلے کے دوران ہمیں ابتدا میں حلال اور جائز راہوں کو وسعت دینی چاہیے۔

آیت ⑨ : فلم یزدھم دعائی الا فرارا (سورۃ نوح ۷۱ : ۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ بعض افراد میں قبولیت کا مادہ ہی نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی ہدایت کرتے ہوئے جتنا ہم پر فرض کیا گیا ہے اس سے زیادہ اپنے آپ کو نہ تھکائیں۔

آیت ⑩ : بلسان قومہ (سورۃ ابراھیم ۱۴ : ۴) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں مخالف کے اخلاق اور اس کی زبان و ادب سے آشنا ہونا چاہیے۔

آیت ⑪ : قال اوسطھم الم اقل لکم (سورۃ قلم ۶۸ : ۲۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں ہر موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

آیت ⑫ : ان تکفروا انتم و من فی الارض جمیعا فان اللہ لغنی (سورہ ابراھیم ۱۴ : ۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ دعوت کو خوشامد تک نہیں پہنچ جانا چاہیے۔

آیت ⑬ : لیلا و نھارا (سورۃ نوح ۷۱ : ۵) سے ہمیں یہ استفادہ ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت کا عمل مسلسل اور ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔

آیت ⑭ : لا تتبع اھواء ھم (سورۃ مائدۃ ۵ : ۴۸۔۴۹) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ فکری اور علمی قائدین کو دوسروں کی ہوئی و ہوس کے تابع نہیں ہو جانا چاہیے۔

آیت ⑮ : قال علمھا عند ربی (سورۃ طٰہٰ ۲۰ : ۵۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ایسے سوالات کے جواب دینے سے گریز کرنا چاہیے جن کے جواب دینے سے فتنہ و فساد کا امکان ہو۔

آیت ⑯ : فانت لہ تصدیٰ (سورۃ عبس ۸۰ : ۶) اور

آیت ⑰ : فانت عنہ تلھٰی (سورۃ عبس ۸۰ : ۱۰) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ معاشرے کے نامور اور گم نام افراد سے علٰیحدہ علٰیحدہ قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنا منع ہے۔

آیت ⑱ : و من قبلہ کتاب موسی اماما ر رحمۃ (سورۃ احقاف ۴۶ : ۱۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ آپ سے پہلے جن لوگوں نے کام کیا ہے ان کا اور ان کے کام کا تذکرہ عزت و احترام کے ساتھ کرنا چاہیے۔

آیت ⑲ : لا تغلوا فی دینکم و لا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم (سورۃ نساء ۴ : ۱۷۱) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ دینی امور میں غلو اور افراط کی روک تھام کرنی چاہیے۔

آیت ⑳ : ارسلنا رسلنا تترا (سورۃ مومنون ۲۳ : ۴۴) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ تبلیغی عمل کو مسلسل جاری رہنا چاہیے۔

آیت ㉑ : اللہ نزل احسن الحدیث (سورۃ زمر ۳۹ : ۲۳) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ اپنے دین کو بہترین طریقے سے پیش کرنا چاہیے۔

آیت ㉒ : لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاریٰ (سورۃ نساء ۴ : ۴۳) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ

منکرات کے خلاف جنگ کو تدریجی ہونا چاہیے۔

آیت ۲۳ : و منافع للناس و اثمھما اکبر (سورۃ بقرہ ۲ : ۲۱۹) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ پہلے ہمیں ایک رسم کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس کے بارے میں حکم دینا چاہیے۔

آیت ۲۴ : فاقرءوا ما تیسر (سورۃ مزمل ۷۳ : ۲۰) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہمارا مخاطب کس قدر ہماری بات سُننے پر آمادہ ہے۔

آیت ۲۵ : تبوا لقومکما بمصر بیوتا (سوہ یونس ۱۰ : ۸۷) اور

آیت ۲۶ : و اذ استسقی موسی (سورۃ بقرہ ۲ : ۶۰) سے استفادہ ہوتا ہے کہ اگر ہم لوگوں کی مادی مشکلات حل کرسکتے ہوں تو یہ تربیتی کام کے لیے راستہ ہموار کرنے کا باعث ہوگا۔

آیت ۲۷ : فاذا طعمتم فانتشروا (سورۃ احزاب ۳۳ : ۵۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ تربیتی کام کو اطعام اور پذیرائی کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔

آیت ۲۸ : فاقصص القصص (سورۃ اعراف ۷ : ۱۷۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ تربیتی کام کے دوران حکایات اور تاریخ سے استفادہ کرنا چاہیے۔

آیت ۲۹ : فبعث اللہ غرابا (سورۃ مائدہ ۵ : ۳۱) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ لوگوں کو آگے بڑھانے اور انھیں حرکت دینے کے لیے فطری دنیا اور دنیائے حیوانات سے استفادہ کرنا چاہیے۔

آیت ۳۰ : لیس لک من الامر شئ (سورۃ آل عمران ۳ : ۱۲۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں صداقت کا ثبوت دینا چاہیے اور اپنی حیثیت اور صلاحیت سے زیادہ کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔

آیت ۳۱ : ثم افیضوا من حیث افاض الناس (سورۃ بقرہ ۲ : ۱۹۹) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں لوگوں سے دور نہیں ہونا چاہیے اور اپنے لیے کوئی مخصوص راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

آیت ۳۲ : یرید اللہ بکم الیسر (سورۃ بقرہ ۲ : ۱۸۵) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ خدا انسان کے لیے آسان دین چاہتا ہے۔

آیت ۳۳ : فاذا فرغت فانصب (سورۃ انشراح ۹۴ : ۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے کام میں ریٹائرمنٹ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

آیت ۳۴ : لیظھرہ علی الدین کلہ سو(رۃ توبہ ۹ : ۳۳، سورۃ فتح ۴۸ : ۲۸، سورۃ صف ۶۱ : ۹) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ تاریخ پر ہماری نظر ہمارے لیے امید افزا ہوتی ہے۔

آیت ۳۵ : فاسرھا یوسف فی نفسہ (سورۃ یوسف ۱۲ : ۷۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ کبھی کبھی تہمت کو سن کر اسے دل میں چھپالینا اور ظاہر نہیں

کرنا چاہیے۔

آیت ۳۶ : اخرجوھم من قریتکم (سورۃ اعراف ۷ : ۸۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ کبھی کبھی جلا وطنی کا ذائقہ بھی چکھ لینا چاہیے۔

آیت ۳۷ : انک لمجنون (سورۃ حجر ۱۵ : ۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ اپنی تحقیر کو بھی سن لینا چاہیے۔

آیت ۳۸ : لیس بی ضللۃ (سورۃ اعراف ۷ : ۶۱) اور

آیت ۳۹ : لیس بی سفاھۃ (سورۃ اعراف ۷ : ۶۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ بے عقل اور جاہل و نادان لوگوں کا جواب سنجیدگی اور وقار کے ساتھ دینا چاہیے۔

آیت ۴۰ : انہ لیس من اھلک (سورۃ ھود ۱۱ : ۴۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ اگر ہمارے اقربا حق کے راستے پر نہ ہوں تو انھیں مسترد کر دینا چاہیے۔

آیت ۴۱ : و یتعلمون ما یضرھم (سورۃ بقرۃ ۲ : ۱۰۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ یہ نعرہ غلط ہے کہ کسی چیز کے جاننے سے بہتر ہے کہ اسے نہ جانیں۔

آیت ۴۲ : تسئلوا عن اشیاء (سورہ مائدہ ۵ : ۱۰۱) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ فکری اور علمی مباحث طبقہ بندی کے حامل ہوتے ہیں اور ہر موضوع کو ہر عمر کے افراد کے سامنے پیش کرنا جائز نہیں۔

آیت ۴۳ : و السلام علی من اتبع الھدیٰ (سورۂ طٰہ ۲۰ : ۴۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہ اور منحرف افراد کو سلام تک نہیں کرنا چاہیے۔

آیت ۴۴ : ان ارسل معنا بنی اسرائیل (سورۃ شعراء ۲۶ : ۱۷) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ فکری رہنما پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کے بارے میں سوچتا ہو۔

آیت ۴۵ : لیس بامانیکم و لا امانی اھل الکتاب (سورۃ نساء ۴ : ۱۲۳) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ بے جا توقعات کے خلاف مزاحمت کرنی چاہیے۔

آیت ۴۶ : و لن ترضی عنک الیھود و لا النصاریٰ (سورۃ بقرہ ۲ : ۱۲۰) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں ہر ایک کو خوش رکھنے کی فکر میں نہیں رہنا چاہیے۔

آیت ۴۷ : ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا (سورۃ کھف ۱۸ : ۶۶) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں ایسے علم و دانش کے حصول کی جستجو میں رہنا چاہیے جس کے ذریعے ہم رشد و کمال حاصل کر سکیں۔

آیت ۴۸ : فبھت الذی کفر (سورۃ بقرہ ۲ : ۲۵۸) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ہماری منطق اور استدلال اس قدر قوی ہونا چاہیے کہ مخالف بے بس ہو جائے۔

(باقی آخری صفحہ پر)

﴿باب المتفرقات﴾

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

تحریر: علی محمد علی دخیل

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی والدہ کا نام حمیدہ بنت صاعد مغربی ہے۔ آپؑ مقام ابواء (مکہ اور مدینے کے درمیان ایک جگہ) اتوار کے دن ۷ر صفر ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ان کی ولادت کے وقت ولیمہ کیا اور تین دن تک لوگوں کو کھانا کھلایا۔

آپؑ کا حُلیہ مبارک: آپؑ کا چمکیلا رنگ، مربع قامت تھی، گھنی داڑھی رکھتے تھے۔

آپؑ کی کنیت: ابوابراہیم، ابوالحسن، ابوعلی اور ابواسماعیل تھی۔

آپؑ کے القاب: عبد صالح، کاظم، صابر، الصالح الامین، باب الحوائج، ذو نفس ذکیہ، زین المجتہدین، الوفی، الزاہر، المامون، طیّب، سید۔

آپؑ کی انگوٹھی کا نقش: الملک للّٰہ وحدہ

آپؑ کے صاحبزادے: علی الرضا، ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل، ہارون، حسن، احمد، محمد، حمزہ، عبداللّٰہ، اسحاق، عُبیداللّٰہ، زید، فضل اور سُلیمان۔

آپؑ کی صاحبزادیاں: فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیّہ، حکیمہ، ام ابیہا، رقیّہ صغریٰ، کلثوم، ام جعفر، زینب، خدیجہ، علیہ، آمنہ، حسنہ۔

آپؑ کے زمانہ کے بادشاہ:

منصُور، محمد مہدی، موسیٰ ہادی، ہارون رشید۔

آپؑ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ قید خانوں کی تاریکیوں میں گزارا۔ آپؑ کو مہدی عباسی نے قید کیا۔ بعد میں چھوڑ دیا۔ ہارون رشید نے آپؑ کو بصرے میں عیسیٰ بن جعفر کے یہاں قید رکھا۔ وہاں سے بغداد فضل بن ربیع کے پاس قید کیا۔ پھر فضل بن یحییٰ کے پاس اور پھر سندی بن شاہک کے پاس قید رکھا۔ (آپؑ ہارون کی قید میں چار سال یا اس سے زیادہ مدت رہے۔)

آپؑ کی شہادت: ہارون رشید کی طرف سے بھیجے ہوئے زہر سے جُمعہ ۲۵ر رجب ۱۸۳ھ کو شہید ہوئے۔ آپؑ کی امامت کی مدت پچیس سال ہے۔

آپؑ کی قبر: آپؑ کرخ کی جانب مقابر قریش میں دفن ہوئے۔ آج آپؑ کا مزار مبارک بلندی اور نورانیت میں آسمان کا مقابل ہے۔ آپؑ کے مزار کے چوکھٹوں پر سونا تہ بہ تہ چڑھا ہوا ہے۔ وہاں سار دنیا کے مُسلمانوں کا ہمہ وقت اژدہام رہتا ہے۔ جو آپؑ کی ضریح اقدس کے گرد طواف کرتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ علماء اور عظماء کی نظر میں

مُسلمانوں کے سارے مکاتب فکر کا اہل بیت علیہم السّلام کی افضلیت و بلندی مقام، ان کی منزلت اور تقدس اور ان کی رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قربت پر اجماع و اتفاق ہے۔

علماء نے ان کے فضائل لکھنے ان کی شان میں رسُول اللہؐ کی احادیث ذکر کرنے، ان کی سیرت و اخلاق بیان کرنے اور ان کے ارشادات و تعلیمات پیش کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کی ہے۔

اس میں کوئی تعجب بھی نہیں جب کہ رسُولِ اعظم نے ان کو حدیث ثقلین کے مطابق قرآن کریم کا قریب کہا ہے۔ آپؐ نے ان کی سفینہ نوح سے مثال دی ہے کہ جس میں جو داخل ہو گیا وہ امن میں رہا، ایسی اور بھی بہت سی احادیث آپ حضرات کی فضیلت میں موجود ہیں۔

اس باب میں ہم امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں بعض علمائے کرام کے کلمات پیش کرتے ہیں:

❶ امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا: اس میں حکم علم و فہم اور سخاوت ہے۔ ان امور کی معرفت ہے جن کے لوگ مُحتاج ہیں۔ وہ ایسے امور دین ہیں جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے ہیں۔ اس میں حسنِ خلق ہے اور حسن جواز۔ وہ اللہ عز و جل کے ابواب میں سے ایک باب اور دروازہ ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۴)

❷ ہارون رشید نے کہا: یاد رکھو! یہ بنی ہاشم کے عابدوں اور زاہدوں میں سے ہیں۔ (انوار البہتیہ صفحہ ۹۲)

ہارون رشید نے اپنے بیٹے مامون سے (اس کے آپ کے بارے میں سوال کے جواب میں) کہا: "یہ لوگوں کے امام ہیں۔ اللہ کی مخلوق پر اس کی حُجت ہیں، اس کے بندوں میں سے اس کے خلیفہ ہیں"۔

(اعیان الشیعہ ۴ ق ۳ / ۵۱)

❸ مامون عباسی نے آپ کی تعریف میں کہا: وہ شب زندہ دار بزرگ ہیں، جن کو عبادت گزاری نے نحیف کر دیا ہے۔ جیسے وہ پرانی مُشک ہو گئے ہیں۔ سجدوں نے ان کے چہرے اور ناک کو زخمی کر دیا ہے۔ (انوار البہتیہ ۹۳)

❹ عیسیٰ بن جعفر نے ہارون رشید کو لکھا تھا کہ موسی بن جعفرؑ کے معاملہ طویل ہو گیا ہے، وہ کافی عرصے سے میری قید میں ہیں۔ میں نے ان کے حالات کی نگرانی کی، ان پر جاسوس مقرر کیے۔ اس طویل مدت میں مَیں نے دیکھا کہ وہ عبادت سے تھکتے نہیں۔ میں نے ایک آدمی مقرر کیا کہ وہ ان کی دعاؤں پر نظر رکھے۔ پتا چلا کہ آپ نے کبھی تم کو یا مُجھے بد دعا نہیں دی۔ نہ ہی کبھی ہمارا برا ذکر کیا۔ وہ اپنی مغفرت اور اللہ کی رحمت کے علاوہ کوئی دعا نہیں مانگتے۔ تم کسی کو بھیج دو جو آپ کو اپنی تحویل میں لے لے، ورنہ میں ان کو رہا کر دوں گا۔ میں ان کو قید میں رکھنا تکلیف دہ اور باعث ضرر سمجھتا ہوں۔

(اعیان الشیعہ ۴ ق ۳ / ۱۷)

❺ ابو علی خلال (شیخ حنبل) کہتا ہے کہ مُجھے جب کسی معاملے میں رنج و غم ہوا تو میں نے موسی بن جعفرؑ کی قبر کا ارادہ کیا، اور ان سے متوسل ہوا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو جس طرح میں چاہتا تھا سہل و آسان کر دیا۔

(تاریخ بغداد ۱ / ۱۲۰)

۶ شافعی کہتا ہے کہ موسیٰ بن جعفرؑ کی قبر مجرب تریاق۔ (یعنی حاجات بر آتی ہیں۔ مترجم) (تحفۃ العالم ۲/۲۲)

۷ ابو حاتم کہتا ہے کہ آپ ثقہ اور بہت سچے تھے۔ مسلمانوں کے آئمہ میں سے ایک امام اور راہنما ہیں۔

(تہذیب التہذیب ۱۰/۲۴۰)

۸ عبدالرحمٰن بن جوزی کہتا ہے کہ آپ کو آپ کی عبادت، اجتہاد، راتوں میں قیام کی وجہ سے عبد صالح کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ کریم اور حلیم تھے۔

جب آپؑ کو کسی کے بارے میں خبر ملتی کہ وہ آپ کو اذیت پہنچاتا ہے تو آپؑ اس کے پاس مال بھیجتے۔

(صفۃ الصفوۃ ۲/۱۰۳)

۹ خطیب بغدادی کہتا ہے کہ آپؑ سخی اور کریم تھے۔

جب آپ سنتے کہ کوئی شخص آپ کو اذیت پہنچاتا ہے تو آپ اس کو ہزار دینار کی تھیلی بھیجتے۔ آپ دو سو، تین سو اور چار سو دینار کی تھیلیاں تیار کرواتے اور ان کو مدینے کے لوگوں میں تقسیم کرتے۔

موسیٰ بن جعفرؑ کی تھیلیاں ضرب المثل تھیں۔ جب کسی انسان کے پاس آپ کی تھیلی آتی تو وہ غنی اور تونگر ہو جاتا۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۲۸)

۱۰ علی بن محمد بن احمد مالکی ابن صباغ کہتا ہے کہ آپ کے مناقب، آپ کی واضح کرامات، آپ کے فضائل اور روشن صفات اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ شرافت اور خوبیوں اور اوج کی بلندیوں پر فائز تھے۔ آپ کے سامنے سیادت کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ آپ کو مجد و بزرگی کی غنیمتوں میں حاکم مقرر کیا گیا جن میں منتخب غنائم کو آپ نے اختیار کیا۔ (الفصول المہمۃ ۲۱۷)

۱۱ یوسف بن قزاغلی، سبط جوزی کا کہنا ہے کہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السّلام کا لقب کاظم، مامون، طیب اور سید ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ اپنی عبادت و اجتہاد اور ساری ساری عبادت کے لیے قیام کرنے ---- کی وجہ سے آپ کو لوگ عبد صالح کہہ کر پکارتے۔

موسیٰ بن جعفرؑ جواد اور کریم تھے۔ آپ کو کاظم اس لیے کہا جاتا کہ جب آپ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اس کا مال بھیجتے۔ (تذکرۃ الخواص ۱۹۶)

۱۲ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی کہتا ہے کہ امامؑ بڑی قدر و منزلت کے مالک، عظیم بزرگ، نیکیوں میں بہت جد و جہد کرنے والے، عبادت کے لیے مشہور، اطاعتوں پر برقرار، کرامتوں کے لیے معروف، ساری ساری رات سجدوں میں گزارنے والے اور نماز کے لیے قیام کرنے والے تھے۔ آپ دن صدقہ اور روزے میں گزارتے۔ بے مثال حلم اور بردباری کے مالک تھے۔ اپنے آپ پر زیادتی کرنے والوں سے چشم پوشی فرماتے۔ اسی بنا پر آپ کو کاظمؑ کے لقب سے پکارا جاتا۔ جو برائی کرتا اس کو احسان اور نیکی سے بدلہ دیتے۔ زیادتی کرنے والے کے جواب میں اس کو معاف کر دیتے۔

عبادت کی کثرت کی وجہ سے عبد صالح کے لقب سے پکارے جاتے۔

عراق میں آپؑ "باب الحوائج الی اللّٰہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ آپ کے ذریعے اللّٰہ تعالیٰ کی طرف

متوسل ہونے والوں کے مطالب بر آتے ہیں۔

آپؑ کی کرامات عقل کو حیران کردیتی ہیں، اور ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپؑ کا ایسا سچا مقام ہے جس میں کمی بیشی کا سوال نہیں۔ (مطالب السؤل ۸۲)

⑬ احمد بن یوسف دمشقی کرمانی کہتا ہے کہ موسیٰؑ وہ امام ہیں جو بڑی قدر و منزلت والے ہیں۔ منفرد شخصیت کے مالک اور حجتِ خدا ہیں۔ اپنی رات بیدار رہ کر قیام میں گزارنے والے اور اپنے دن روزے میں کاٹنے والے ہیں۔ بہت زیادہ حلیم و بردبار ہیں۔ زیادتی کرنے والوں سے چشم پوشی کرنے کی وجہ سے آپ کا نام کاظمؑ ہو گیا۔ آپ اہلِ عراق میں "باب الحوائج" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان سے متوسل ہونے والے کی حاجت ہمیشہ پوری ہوئی ---- ان کی کرامات آشکار اور مناقب واضح ہیں۔ آپؑ نے شرافت کی اوج پائی اور خوبیوں کی رفعت پاکر اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ (اخبار الدول ۱۱۲)

⑭ محمد بن احمد ذہبی کہتا ہے کہ موسیٰؑ اعلیٰ ترین حکماء اور عقلاء میں سے تھے۔ پاکیزہ عابد و زاہد تھے۔ آپ کا مشہد و مرقد بغداد میں مشہور ہے۔ ۵۵ سال کی عمر میں آپؑ کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی۔

(میزان الاعتدال ۳/۲۰۹، تاریخ الخلفاء ۳۹)

⑮ ابن سامی کہتا ہے کہ امام کاظمؑ عظیم الشان اور صاحبِ افتخار تھے۔ کثرت سے نمازِ تہجد پڑھنے والے، نیکیوں میں حد سے زیادہ کوشاں، آپ کی کرامات کی گواہی دی گئی ہے۔ آپ عبادت کے لیے مشہور تھے۔ مسلسل اطاعتوں پر برقرار رہنے والے تھے۔ ساری رات سجدے اور قیام میں گزارنے والے اور دن صدقہ دینے اور روزہ رکھنے میں گزارنے والے تھے۔ (حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفرؑ ۱/۱۰۷)

⑯ مومن شبلنجی کہتا ہے کہ موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے زیادہ عابد، علم، سخی اور کریم النفس تھے۔ آنجنابؑ اہلِ مدینہ کے فقراء کی دیکھ بھال کرتے، رات کو ان کے گھروں میں درہم و دینار اور اجناس پہنچاتے۔ خود ان حاجت مندوں کو یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ یہ کچھ ان کو کس نے پہنچایا۔ آپؑ کی وفات کے بعد ان کو پتا چلا کہ ہمارے ساتھ احسان کرنے والا کون تھا۔

آپؑ اکثر یہ دعا مانگتے:

اللھم انی اسئلک الراحۃ عند الموت و العفو عند الحساب۔

خدایا موت کے وقت راحت و آرام اور حساب کے وقت تجھ سے عفو اور بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

(نور الابصار ۲۱۸)

⑰ عبدالوہاب شعرانی کہتا ہے کہ موسیٰؑ بارہ اماموں میں سے ایک ہیں، جو جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین کے فرزند ہیں۔ آپ عبادت کی کثرت، اجتہاد اور ساری رات عبادت میں قیام کی وجہ سے عبد صالح کے نام سے پکار جاتے۔

جب آپ کو کسی شخص کے بارے میں پتا چلتا کہ وہ آپ کو اذیت اور تکلیف پہنچاتا ہے تو آپ اس کو مال بھیجتے۔ (الطبقات الکبریٰ ۳۳)

⑱ عبداللہ شہراوی شافعی کہتا ہے کہ آپ بزرگوں اور

سخی لوگوں میں سے تھے۔ آپکے والد حضرت جعفرؑ آپ سے بہت محبت اور پیار کرتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو موسیٰؑ سے کتنی محبت ہے تو فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اس کے علاوہ میرا کوئی بیٹا نہ ہوتا۔ تا کہ مجھے اس سے جو محبت ہے اس میں کوئی شریک نہ ہوتا۔

(پھر اس نے امام کے بارے میں کچھ تحریر کیا ہے اور آپ کی کچھ گفتگو نقل کی ہے۔) (الاتحاف بحُبِ الاشراف ۵۴)

⑲ محمد خواجہ بخاری کہتا ہے کہ ابوالحسن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رضی اللہ عنہما ائمہ اہلِ بیتؑ میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ صالح، عابد، جواد، سخی اور بڑی قدر و منزلت والے ہیں۔ آپ کثیر علم کے مالک تھے۔ آپ کو عبد صالح کے نام سے پکارا جاتا۔ ہر روز سورج نکلنے سے لے کر زوال تک اللہ کے لیے ایک طویل سجدہ کرتے۔ جس شخص نے آپ کو اذیت اور تکلیف پہنچائی تھی اس کو آپ نے ایک ہزار دینار کی تھیلی بھیجی۔ مہدی بن منصور عباسی نے مدینہ سے بغداد بلا کر قید کر دیا۔ مہدی نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہتے سنا کہ اے مہدی: فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم فاطلقه..... یعنی کیا قریب ہے کہ اگر تم کو والی اور حاکم بنا دیا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے۔ چنانچہ اس نے آپؑ کو چھوڑ دیا۔

(ینابیع المودۃ ۴۵۹)

⑳ عبد اللہ بن اسد یافعی کہتا ہے کہ آپ صالح، عابد، جواد، حلیم الطبع اور بڑی قدر و منزلت والے تھے۔ آپ بارہ اماموں میں سے ایک تھے جو امامیہ کے اعتقاد کے مطابق معصوم ہیں۔

عبادات اور اجتہاد کی بنا پر آپ کو عبد صالح کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

آپ سخی اور کریم تھے۔ آپ کو پتا چلتا کہ کوئی شخص آپ کو اذیت دیتا ہے تو اس کو ایک ہزار دینار کی تھیلی بھیجتے۔ (مرآۃ الجنان ۱/۳۹۴)

㉑ محمد امین سویدی کہتا ہے کہ امام بہت بڑی قدر و منزلت والے، کثیر الخیر انسان تھے۔ ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے، دن کو روزے رکھتے۔ اپنے آپ سے زیادتی کرنے والوں سے چشم پوشی کرتے۔ اسی لیے آپ کا لقب کاظمؑ پڑ گیا---- آپ کی واضح کرامات ہیں۔ آپ کے مناقب ایسے ہیں کہ یہاں ان کا ذکر سما نہیں سکتا۔ (سبائک الذہب ۷۳)

㉒ محمود بن وہیب قراغولی بغدادی حنفی کہتا ہے کہ آپ موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ کے چار القاب ہیں---- کاظم، صابر، صالح اور امین۔ جن میں زیادہ مشہور لقب کاظم ہے۔

آپ درمیانہ قد اور گندم گوں رنگ کے تھے۔ آپ اپنے والد کے علم و معرفت، کمال و فضل کے وارث تھے۔ رضی اللہ عنہما۔ غیظ و غصے کو پی جانے والے، بہت زیادہ چشم پوشی کرنے اور حلم و بردباری کی وجہ سے آپ کا نام کاظمؑ پڑ گیا۔

اہلِ عراق میں آپ "باب قضاء الحوائج عند اللہ"

کے لقب سے مشہور ہیں۔ اپنے زمانے میں سب لوگوں سے زیادہ عابد، عالم، اور سخی تھے۔ (جوہرۃ الکلام ۱۳۹)

۲۳ علی جلال حسینی کہتا ہے کہ آپؑ فقہ، دین، عبادات، حلم اور صبر کے اتنے جامع تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ (الحسین ۲/ ۲۰۷)

۲۴ محمد امین غالب الطویل کہتا ہے کہ علوی ایک عظیم القدر شخص یعنی امام موسی کاظمؑ کی اقتدار کرتے تھے۔ آپ تقویٰ اور کثرتِ عبادات کے لیے مشہور تھے۔ حتی کہ مُسلمانوں نے آپ کو عبد صالح پکارنا شروع کر دیا۔ کبھی رجل صالح بھی کہتے۔ یہ تشبیہ اُن سے ہوتی جن کا قرآن میں موسیٰؑ بن عمران کے ساتھی کے طور پر ذکر ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کریم اور سخی تھے ----

(تاریخ العلویین ۱۸۵)

۲۵ یوسف اسماعیل نبہانی کہتا ہے کہ موسیٰ کاظمؑ اکابر ائمہ، ہمارے سادات اہلِ بیتؑ کرام اور ہادیانِ اسلام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک تھے۔

خداوند عالم ہم کو ان اہل بیتؑ کی برکات سے مستفید فرمائے۔ اور ان کی محبت اور ان کے جد اعظمؐ کی محبت پر ہم کو موت دے۔ (جامع کرامات الاولیاء ۲/ ۲۶۹)

۲۶ ڈاکٹر زکی مبارک کہتا ہے کہ موسیٰ بن جعفرؑ سادات بنی ہاشم میں سے سید و سردار تھے۔ علم اور دین میں سب سے آگے تھے۔ (حیاۃ الامام موسی بن جعفرؑ ۱/ ۱۱۰، شرح زاہر الادب ۱/ ۱۳۲)

۲۷ ڈاکٹر عبد الجبار جومرد کہتا ہے: امام کاظم ہی موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

زہد و تقویٰ اور اخلاق کی عمدگی اور نرمی سے آپ کی زندگی بھری پڑی ہے۔ آپؑ کو کاظمؑ کا لقب اس لیے ملا کہ آپ ہر اس شخص سے حسنِ سلوک کرتے جو آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا۔ (ہارون الرشید ۱/ ۱۸۸)

۲۸ ڈاکٹر محمد یوسف کہتا ہے کہ ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے فقہ میں کتاب لکھی وہ امام موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ آپؑ کی وفات (بغداد کے) قید خانے میں ۱۸۳ھ میں ہوئی تھی۔ آپ سے "حلال و حرام" کے عنوان سے جن مسائل کو دریافت کیا گیا تھا یہ ان کے جوابات تھے جو آپ نے تحریر فرمائے تھے۔ (حیاۃ الامام موسی بن جعفرؑ ۱/ ۱۱۷، عن فقہ الاسلامی مدخل لدراسۃ المعاملات ۱۶۰)
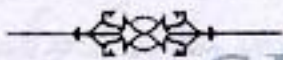
بقیہ: قوموں کے عروج و زوال کے اسباب

کے دو شعر پیش خدمت ہیں۔

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائے گا جہاں پر اگر یہی روشنی رہے گی

رہے گی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہبان ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی
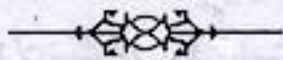
فرمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی پاک کتاب قرآن، اور دوسرے میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ ان سے تمسک رکھنا تا کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ (صحیح مسلم شریف جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)

آخبارِ غم

۱ جناب **سید صغیر حسین** آف کوٹ بیلیاں والا ضلع میانوالی جو اس علاقہ کے رُوحِ رواں تھے اور انتہائی سُلجھے ہوئے صحیح العقیدہ اور صحیح العمل انسان تھے، اور عمل و کردار کے لحاظ سے سادات کے لیے نمونۂ عمل تھے گزشتہ دنوں عارضۂ قلب کا شکار ہو کر راہی ملک بقا ہوگئے۔ خداوندِ عالم ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ آمین

۲ سینئیر مدرس **حوزہ علمیہ امام حسن مُجتبیٰ** (کھنبی روڈ چک نتھا تحصیل سرائے عالم گیر ضلع گجرات) **مولانا ملک عزیز حسین** ۸ رجون ۲۰۱۰ کو داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے ہیں۔ مولانا نے ساری زندگی مذہب شیعہ کے لیے اہم دینی خدمات سرانجام دی ہیں۔ مرحوم کی وفات سے حوزہ عِلمیّہ امام حسن مجتبیٰؑ بالخصوص اور اہلِ تشیّع بالعُموم ایک عظیم عالم دین سے محروم ہو گئی ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ مرحوم کی مزید بلندیٔ درجات کے لیے دعا فرمائیں۔

شریک غم

(ادارہ)

بقیہ: تعلیم و تربیت کے ذمہ دار حضرات کے لیے

آیت ۴۹ : و قولوا قولا سدیدا (سورۃ احزاب ۳۳ : ۷۰) سے ہمیں یہ استفادہ ہوتا ہے کہ فکری کام کو مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے۔

آیت ۵۰ : لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا (سورۃ بقرہ ۲ : ۱۰۴) سے استفادہ ہوتا ہے کہ ہمیں ایسے الفاظ سے کام لینا چاہیے جن سے دشمن فائدہ نہ اٹھا سکے۔

آیت ۵۱ : ن و القلم و ما یسطرون (سورۃ قلم ۶۸ : ۱-۲) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ علمی اور فکری کام کے وسائل مقدس ہوا کرتے ہیں۔

آیت ۵۲ : اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه (سورہ بقرہ ۲ : ۱۳۳) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ مرتے دم تک، حتی کہ احتضار کے عالم میں بھی تعلیم و تربیت کے کام سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔

آیت ۵۳ : یا صاحبی السجن ء ارباب متفرقون (سورہ یوسف ۱۲ : ۳۹) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ تربیتی کام کے دوران مخاطب کے ساتھ احترام سے پیش آنا چاہیے۔

(بشکریہ بینات کراچی ماہ ربیع الاول ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ)

اہلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرہ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

1. **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
2. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔
3. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذبِ نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔
4. **اثبات الامامت** ائمۂ اثنا عشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔
5. **اصول الشریعۃ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
6. **تحقیقات الفریقین** اور
7. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
8. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصۃ التفسیر** منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔
9. **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
10. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب : **منیجر مکتبۃ السبطین**

296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722